محبت ہم نے کی ہے

شازیہ رفیق

"زندگی درد کا نام ہے۔" سڑک پر پڑے چھوٹے پتھر کو ٹھوکر لگاتے ہوئے سوچا۔ آج اسے سڑک ناپتے، بسوں کے دھکے کھاتے ہوئے تقریباً دو ماہ ہوگئے تھے۔

"اور یہ ڈگری ہاہ۔" ہاتھ میں پکڑے ڈاکومنٹس کو سامنے کرتے ہوئے استہزائیہ سانس باہر نکالی۔ کیا دیا تھا۔ ان کاغذ کے ٹکڑوں نے اسے جن کو حاصل کرنے کے لئے اس نے زندگی کے کتنے سال گنوا دیے تھے۔ کاش اس کی بیک بھی اتنی مضبوط ہوتی کہ صرف ایک فون کال پہ نوکری مل جاتی۔ مگر اگر اس کے پاس تگڑی سفارش ہوتی تو کیا ضرورت ہوتی خوار ہونے کی۔ یونہی سر جھکائے خود سے الجھتے ہوئے جانے کتنا فاصلہ طے کرلیا تھا۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو اپنی گلی کے سامنے خود کو پایا۔ ایک بار پھر گہری سانس لے کر اپنے آپ کو کمپوز کیا اور گلی میں داخل ہوگئی۔ دروازہ اماں نے کھولا تھا اور ہمیشہ کی طرح ان کی سوالیہ اور آس بھری نظروں نے اسے اپنی نظریں چرانے پہ مجبور کردیا۔ اس لئے خاموشی سے صحن عبور کرکے کمرے میں آگئی۔ جس سے دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر یوں گرمی کی کسے پروا تھی جب پیٹ بھرنے کے لئے کچھ نہ ہو، ہر نیا دن اپنے اندر بے شمار نت نئی فکریں اور پریشانیاں لاتا ہو تو کسے گرمی یا سردی کی پروا ہوتی ہے۔ آج کا دن بھی ڈھل گیا۔ ہر روز اک نئی آس کے ساتھ وہ اٹھتی تھی لیکن سورج کے سفر کے ساتھ اس کی امید بھی ختم ہوتی جاتی تھی۔ کرسی کی بیک پہ سر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ پلکوں پہ اتر آئی تھی۔ آخر کب تک وہ یونہی دھکے کھاتی رہے گی۔ کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کرتے ہوئے کتنے خواب۔ ان پلکوں پہ آن سجے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ تعلیم مکمل ہوتے ہی وہ اپنے تمام تشنہ خواب اور آرزوئیں پوری کرے گی۔ جن کے لئے آج تک ترستی آئی تھی۔

مکمل ناول

وہ خوبصورت ہے۔" محبت سے ماں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" انہوں نے پاس آ کر اس کے بالوں میں انگلیاں چلائیں تو وہ ایک بار پھر پلکیں موند گئی اور آنکھوں میں کب سے مچلتا ہوا پانی رخساروں پہ آن ٹھہرا۔

"اماں میں ہار گئی۔ زندگی کی ہر بازی ہارتی جا رہی ہوں میں۔" درد بھرے لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو وہ بے ساختہ رو دیں اور وہ بس خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔ ہوتا ہے ناں کبھی ایسا کہ تسلی کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ اپنا دکھ ہر ایک کے دکھ سے اتنا زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ بس خاموشی سے اپنے اندر اترتی تاریکی کو محسوس کرنے کو من کرتا ہے اور وہ اگرچہ جانتی تھی کہ اماں بہت بے بس اور دکھی ہیں۔ اس وقت لیکن باوجود کوشش کے وہ ان سے کسی ہمدردی کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

"اماں، ابا آ گئے ہیں۔" درشہوار نے اندر آ کر کہا تو اس ایک جملے نے جیسے ان میں بجلی بھر دی۔ سرعت سے آنکھیں صاف کر کے وہ باہر نکل گئیں۔ زرتاشہ نے تاسف سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر درشہوار کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس سے آج کے انٹرویو کے متعلق پوچھ رہی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کیے۔ چاہے وہ کتنا ہی خود کو مضبوط ظاہر کرتی لیکن اندر سے ابھی تک وہی ڈری سہمی زرتاشہ خان تھی جس ظاہر کرتے ہوئے ایک بار پھر نمبرز پریس کرنا شروع کیے۔ آج کے دور میں جہاں سیل فون تک کوڑیوں کے دام میں بک رہے تھے۔ سجاد خان کے گھر میں فون جیسی سہولت کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ انگیج ٹون نے اسے ایک بار پھر مایوس کر دیا تھا۔ کریڈل دبا کر ریسور رکھ دیا۔ جانے آج کل کیوں مایوسی نے اسے گھیر لیا تھا۔ ہر ارادہ ہر کوشش ناکام ہوتی جا رہی تھی۔ دکان سے باہر آتے ہوئے وہ بہت پژمردہ تھی۔

"اے مفکر صاحبہ کہاں پھر رہی ہو؟" آذر کی ہشاش بشاش آواز اس کے قریب سے گونجی تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی جو خاصے خوشگوار موڈ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاتھوں میں تھامے ہوئے شاپرز اس کی مارکیٹ سے واپسی کی نشاندہی کر رہے تھے۔

"ارے سو گئی کیا یا پھر میں زیادہ خوبصورت ہو گیا ہوں۔" شرارت سے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرائے تو وہ جیسے جبراً مسکراتی ہوئی آگے کی طرف بڑھنے لگی۔

"تم آج جلدی آ گئے آفس سے۔" گھر کے طرف جاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

"ہاں آج ہاف ڈے تھا۔ تم سناؤ جاب کا کیا بنا؟" وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

"آج کے دور میں میرے جیسے امیدوار کا کیا بن سکتا ہے جس کے پاس کوئی مضبوط بیک اور سفارش نہ ہو۔" طنزیہ جملہ اس کے اندرونی خلفشار کی ترجمانی کر رہا تھا۔ آذر بے ساختہ مسکرا دیا۔

لیکن تمہاری خواہش پہ وہ دو سال کا انتظار بھی میں نے کیا۔ اب اور انتظار نہیں ہوتا بس۔" گھر آ گیا تھا۔ دروازہ پہ کھڑے ہو کر زرتاشہ نے گہری سانس لے کر ایک بار پھر آذر کو دیکھا۔ وہ اس کے خوابوں کی تعبیر کیسے اسے تھما دیتی جب کہ وہ خود بھی ابھی تک حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ کیسے اس کی آرزوؤں کے محل کو مسمار کر دیتی کہ اس محل کی تعمیر میں تو وہ خود بھی شریک رہی تھی۔ اے کاش وقت کو پیچھے موڑنے پہ وہ قادر ہوتی۔

"تم اندر نہیں آؤ گے۔" اس کی لمبی چوڑی گفتگو کا یہ جواب اسے بدمزہ کر گیا۔

"نہیں اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" آہستگی سے کہہ کر وہ مڑ گیا تو وہ اس کی خفگی محسوس کرنے کے باوجود اندر آ گئی۔

"اچھا ہے ابھی سے سنبھلنا شروع ہو جائے ورنہ آنے والا وقت جو طوفان اپنے اندر لا رہا تھا اس کی تباہی نے جانے کتنے دلوں کو توڑنا تھا۔" حسب عادت خود کو تسلی دی۔

"کہاں گئی تھیں تم؟" ابا کا لہجہ اگرچہ نرم تھا۔ لیکن تیور خاصے سخت تھے۔ چھٹی کا دن بھی وہ زیادہ تر باہر ہی گزارتے تھے۔ آج جانے کیوں گھر پہ تھے۔

"فون کرنے گئی تھی میں۔" دھیمے سے جواب دے کر کچن میں آ گئی جہاں پہ اماں ہنڈیا بھون رہی تھیں۔ پاس ہی چوکی پہ بیٹھی درشہوار دھنیا صاف کر رہی تھی۔ وہ اماں کو ہٹا کر خود

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

چولہے کے پاس بیٹھ گئی۔

''آپی! کتنا اچھا ہوتا کہ ہمارا بھی بھائی ہوتا۔ آپ کو یوں خوار بھی نہ ہونا پڑتا جاب کے لئے۔'' وہ اس کے مقابلے میں خاصی بولڈ تھی۔ اس لئے اپنے خیالات کا اظہار اب بھی بلند آواز میں کر رہی تھی۔ زرتاشہ نے گھبرا کر اسے دیکھا اور پھر دروازے کی طرف۔

''تم چپ نہیں کر سکتیں۔ اگر ابا کو پتا چل گیا ناں میری نوکری کی تلاش کا تو طوفان کھڑا کر دیں گے۔'' آہستہ آواز میں اسے گھر کا۔ درشہوار نے اس کی بات سن کر منہ بنایا اور دھنیا کی پلیٹ ایک طرف رکھ کر اسے دیکھا۔

''ابا کا کام ہی کیا ہے گھر میں سوائے چیخنے اور چلانے کے۔ اگر اتنا ہی خیال ہے تو کریں ہماری ضرورتیں پوری۔ ساری عمر گزر گئی ان کے خوف سے کانپتے ہوئے۔ اماں خود تو تھیں ہی کم ہمت ہمیں بھی بزدل بنا کر رکھ دیا۔'' زرتاشہ انگشت بداں اس فرسٹ ایئر کی نوعمر لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو آج تک اسے ''چھوٹی'' ہی سمجھتی رہی۔ اس سے بے خبر کہ وقت اور حالات انسان کو بہت جلد عمر کی منزلیں طے کروا کر پختگی بخش دیتے ہیں۔

''درشہوار! باپ کے لئے ایسے نہیں بولتے۔'' اس نے بڑی ہونے کا فرض نبھایا۔

''بس بھی کریں آپ آپی! جب وہ ہمارے ساتھ غلط کریں گے تو کسی کو تو ان کے خلاف آواز اٹھانا ہی ہے اور معاف کیجئے گا مجھ میں ہمت نہیں ہے آپ کی طرح کہ ہر زیادتی برداشت کر جاؤں۔ ساری عمر ان کی ڈکٹیٹر شپ برداشت کی اور اب اگر اس سے آزادی ملنے کی امید پیدا بھی ہوئی تھی تو اسے بھی پھپھو صاحبہ نے کچل کر رکھ دیا۔ کیا ملا اماں کو اپنی عمر برباد کر کے وہی طعنے اور ٹھوکریں اور آپ بھی ان کے نقش قدم پر چل کر فرمانبرداری کا ریکارڈ قائم کرنا چاہتی ہیں۔''

آج کی نسل واقعی خطرناک حد تک منہ پھٹ تھی۔ درشہوار تو ویسے بھی عادتاً ابا پہ گئی تھی۔ ہر معمولی بات پہ بھڑک اٹھنے والی۔ لیکن اس کے دل میں اس قدر عناد جمع ہو چکا ہے۔ زرتاشہ اس سے لاعلم تھی۔

''اچھا چھوڑو سب اور مجھے آٹا دو میں روٹیاں پکا لوں۔'' وہ جانتی تھی کہ جو کچھ درشہوار نے کہا ہے وہ سب سچ ہے لیکن ہمیشہ کی طرح اسے اس سچ سے نظریں چرانا تھیں کہ وہ ابا کے سامنے آ کر انکار کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی تھی۔

''تم میری بات مان لو یا پھر اپنی ماں کو میری طرف سے فارغ سمجھنا۔'' کتنا کاری وار کیا تھا ابا نے اور وہ ششدر سی انہیں دیکھے گئی۔ جو جلاد بنے سخت پتھریلے چہرے سمیت اس سے مخاطب تھے۔ جن کے انداز اور لہجے میں بھی باپ کی نرمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن وہ اس انتہا پر پہنچ جائیں گے کہ اس کے دل کا خون کرنے سے بھی نہیں چوکیں گے اس کا اندازہ زرتاشہ خان کو نہیں تھا اور اماں کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس نے نظریں جھکا کر ابا کے حکم کو مان لیا تھا۔

وہ درشہوار کو کیا بتاتی کہ کس چیز نے اسے اتنا کمزور اور بزدل بنا دیا تھا کہ اپنی محبت کی نیلامی پہ بھی وہ خاموش تھی۔ جانے وہ کیسے باپ ہوتے ہوں گے جو بیٹیوں پہ جان نچھاور کرتے ہیں۔ اس نے تو اپنی ماں کو شروع سے ہی بیٹیوں کی پیدائش کا ذمہ دار ٹھہرا کر عتاب کا نشانہ بنتے دیکھا تھا۔ ابا کی وہی روایتی کہانی پھپھو نے ابا اور چچا کو والدین کی وفات کے بعد پڑھایا لکھایا اور انہیں زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ چچا سلطان خان تو اچھی ایجوکیشن حاصل کر کے باہر چلے گئے جہاں پہ انہوں نے شادی بھی کر لی تھی۔ رہ گئے ابا تو وہ بہن کے احسان تلے ایسے دبے رہے کہ ابھی تک ان کے سامنے سر جھکائے

ہوئے تھے۔ پھپھو چونکہ بڑی تھیں اور جب ماں باپ کی وفات ہوئی تو وہ میٹرک کر رہی تھیں جسے چھوڑ کر انہوں نے سلائی کڑھائی شروع کر دی۔ ابا نے جونہی میٹرک کیا تو ان کے رشتے کے چچا نے کہہ سن کر انہیں ایک دفتر میں کلرک لگوا دیا جس عہدے پہ تا حال وہ موجود تھے۔ پھپھو کے لئے بھی خوش قسمتی سے انہی چچا کے توسط سے خاصے امیر گھرانے کا رشتہ آیا جسے تھوڑی سی چھان بین کے بعد قبول کر لیا گیا۔ پھپھو کی شادی کے دو سال بعد انہوں نے ابا کی شادی اپنی ایک پرانی یتیم سہیلی رقیہ سے کروا دی۔ جو اپنی خالہ کے ساتھ رہتی تھی۔ رقیہ کچھ حالات کی وجہ سے اور کچھ فطرتاً کم گو تھیں اور ابا کا مزاج شاہانہ اور تیور جارحانہ تھے۔ اس لئے ان کے صبر اور خاموشی نے یہ نبھاہ کروا دیا۔ ورنہ ابا کی تلخ مزاجی اور وقتاً فوقتاً پھپھو کی آمد اور ان کے نخوت بھرے انداز نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ان کے گھر کو اجاڑنے میں اور پھپھو کو دیکھتے ہی جانے کہاں سے ابا کی سرد مہری اور فطری غصہ عود کر آ جاتا۔ سونے پہ سہاگہ پلوشہ کی پیدائش مزید چڑچڑے پن کا باعث بن گئی۔ پلوشہ کے بعد چار سال بعد زرتاشہ اور پھر درشہوار نے اماں کو بالکل ہی کمتر حیثیت گھر میں عطا کر دی اور پھپھو کی ہر آمد پہ ٹھنڈی آہیں۔

''میرا بھائی ایک تو پہلے ہی معاشی مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا اب بیٹیوں کا بوجھ اس کی کمر ہی توڑ گیا۔ کیا ہو جاتا جو ایک بیٹا ہی ہوتا اس کا۔''

پھپھو کے کروفرانہ انداز میں ادا کئے گئے جملے ہوش سنبھالنے تک وہ سنتی آئی تھیں۔ پلوشہ اور زرتاشہ تو اماں کی طرح صابر تھیں بلکہ اگر پلوشہ کو اماں کی فوٹو کاپی کہا جاتا تو بے جا نہ تھا۔ زرتاشہ البتہ کبھی کبھار بھڑک اٹھتی تھی اور درشہوار تو لے کر ہی آتش مزاج پیدا ہوئی تھی۔ پلوشہ نے ابھی میٹرک تک ہی پڑھا تھا کہ ابا نے اپنے دفتر میں کام کرنے والے جونیئر کلرک کاشف اقبال سے اس کی شادی کر دی۔ ہمیشہ کی صابر پلوشہ خاموشی سے اس فیصلے پر سر جھکا گئی تھی۔ شاید یہی سوچ کر کہ شوہر کے گھر میں ہی عزت و تکریم مل جائے گی۔ لیکن حوا کی بیٹی ہمیشہ اپنی معصومیت کی وجہ سے ہی ابن آدم سے مار کھا جاتی ہے اور تقدیر دور کھڑی ہنستی رہتی ہے۔ کاشف کی دو بہنیں شادی شدہ تھیں اور دو کنواری تھیں اور تین بھائی جو کہ نکمے پن میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے اور پھر ہر روز فرمائشی لسٹ ساس صاحبہ جاری کرتیں جنہیں پورے کرنے کے لئے پلوشہ بیچاری ہلکان ہو جاتی۔ گو کہ ابا سے تو کسی نرمی اور رحمدلی کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو پہلے ہی صاف کہہ چکے تھے کہ۔

''شادی کے بعد تم میری ذمہ داری نہیں رہی ہو۔ اگر چاہو تو اس گھر آ جایا کرنا ورنہ میرا نہیں خیال کہ اب تمہیں سسرال چھوڑ کر بھاگ بھاگ کر یہاں آنا چاہیے۔'' پلوشہ نے صرف ایک سرد آہ بھری تھی۔ باپ کو دیکھ کر زرتاشہ اگرچہ اماں کے سامنے کافی بولتی تھی۔ لیکن ہمیشہ کی طرح ابا کے سامنے بولتی بند تھی۔ وہ اس معاملے میں خوش قسمت تھی کہ اس کی بات بچپن میں رقیہ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے آذر سے طے پا گئی تھی۔ جو اسی گلی میں تین گھر چھوڑ کر رہتی تھیں۔ آذر ایک پرائیویٹ کمپنی میں اچھے عہدے پہ فائز تھا اور زندگی کا یہ واحد معاملہ تھا جس میں ابا نے بھی اماں کی بات مانی تھی اور زرتاشہ کی بھی زندگی کی واحد خوشی آذر عباس ہی تھا۔ جس سے ہر مسئلہ اور پریشانی ڈسکس کر کے وہ مطمئن ہو جاتی تھی اور وہ بھی تو کتنا خیال رکھتا تھا اس کا۔ ہر پرابلم کو چٹکیوں میں حل کر دیتا۔ حتیٰ کہ کاشف بھائی کا نئی موٹر سائیکل کا مطالبہ بھی وہ خود اپنی سیلری سے پورا کرنے پہ تیار تھا لیکن اس دفعہ بھی زرتاشہ نے اپنی خودداری کو سلامت رکھتے ہوئے انکار کیا اور مستقل جاب کی تلاش میں نکل پڑی جس میں وہ ناکام تھی ادھر کاشف کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ابا سے کچھ کہنا بیکار تھا وہ تو ایسے لاتعلق رہے تھے گھر سے کہ جیسے وہ یہاں پہ مسافر ہوں جسے صرف رات بسر کرنا ہوتی ہے سرائے میں اور وہ جو چھپ کر وہ نوکری تلاش کر رہی تھی تو دوسری طرف ابا کی خفگی کا خوف بھی پوری طرح اندر کنڈلی مارے بیٹھے تھا۔

''زری نہ کر بیٹا نوکری تمہارے ابا تمہیں مار ڈالیں گے۔'' اماں بے بسی سے کہہ رہی تھیں اور وہ کمزور ہوتے ہوئے بھی کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اس دفعہ پلوشہ کا مرجھایا ہوا چہرہ زندگی کی بے ثباتیوں سمیت نظروں میں گھوم جاتا تھا۔

''کب تک مطالبے پورے کرو گی۔ آج موٹر سائیکل مانگی ہے کل گاڑی کا سوال ہوگا اور پھر گھر یہ منہ زور خواہشیں ایک دفعہ پوری کرو گی تو بار بار منہ کھولیں گی۔'' کرن نے بھی تنی سے سمجھانا چاہا تھا لیکن وہ ہر طرف سے کان بند کیے اپنی دھن میں تھی اور انہی دنوں ابا کی طویل خاموشی ایک دھماکے سے ٹوٹی تھی۔

''آپا زرتاشہ کی شادی عالیان سے کرنا چاہتی ہیں۔'' سپاٹ لہجے میں ہمیشہ کی طرح محض اطلاع دی۔ رقیہ نے سراسیمہ نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔ وہ کتنا کچھ بھول چکے تھے اس لمحے یہ انہیں کون بتاتا۔ زرتاشہ اور آذر کے رشتہ کو، مہوش کا اپنی پہلی بہو سے سلوک جو کہ آخر کار اس کی موت کا سبب بن گیا تھا اور اب وہ ایک بار پھر بھتیجی کو آزمانے چلی تھیں۔ عالیان ان کے شوہر کی پہلی بیوی سے تھا جس کا انکشاف تب ہوا تھا جب طٰہ خان کی پہلی بیوی کا انتقال ہوا تھا اور وہ اپنے دو سالہ بیٹے عالیان کی انگلی تھام کر گھر میں داخل ہوئے تھے۔ خلاف عادت مہوش نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور اگر اسے پیار سے نہیں تو خفگی سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کا بیٹا ریحان اس وقت چھ ماہ کا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ سب نے دیکھا کہ عالیان کی ماں سے محبت اور عقیدت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اکھڑ اور تند مزاج تیکھے نقوش کا حامل عالیان خان سوائے ماں کے کسی سے نرمی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ سونے پہ سہاگہ ایس پی کے عہدے نے شخصیت کو مزید بارعب اور غصہ بخش دیا تھا اور جانے کیسے اس بے نیاز شخص کی نظر التفات سدرہ پہ جا ٹھہری تھی۔

''غصہ اور خوبصورتی دو چیزیں ایسی ہیں جو تم لوگوں کے خاندان کو قدرت نے فیاضی سے دی ہیں۔'' ایک بار سدرہ نے زرتاشہ سے کہا تھا۔ اس وقت پھپھو کو عالیان کی پوسٹنگ کی وجہ سے مختلف شہروں میں اس کے ساتھ جانا پڑتا۔ اس دوران ہی ریحان نے اپنی پسند سے اپنی کلاس فیلو سے کورٹ میرج کر لی۔ کیونکہ پھپھو نے اپنے اسٹینڈر سے کم والی زینیا طیب کو اپنانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس واقعہ پہ مشتعل ہو کر انہوں نے ریحان کو گھر سے نکال دیا۔ ویسے بھی طٰہ خان کی ایک سال قبل ہونے والی وفات کی وجہ سے وہ خاصی ڈسٹرب تھیں۔ اس لیے عالیان کے سمجھانے، ریحان کے معافی مانگنے پہ بھی راضی نہیں ہوئی تھیں۔ زرتاشہ اور در شہوار پھپھو کی اس سنگدلی پہ کتنے عرصہ کڑھتی رہی تھیں اور پھر ان کا سدرہ سے کون سا اچھا سلوک تھا۔ اگرچہ بیٹے کی پسند کو طوہاً و کرہاً اپنا تو لیا تھا لیکن ان کا سرد سلوک اس لڑکی کو اندر سے کھاتا جا رہا تھا۔ ریحان کو عالیان نے پاپا کا بزنس چھوڑنے سے منع کر دیا تھا اور کچھ عرصہ بعد سمجھانے کا یہ اثر ہوا تھا کہ مہوش نے اس گھر آ کر ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ کبھی کبھار زینیا بھی آ جاتی تھی۔ پھر پھپھو تو عالیان کی پوسٹنگ ملتان ہونے کی وجہ سے چلی گئیں تو ان کا رابطہ بھی ان سے نہ ہونے کے برابر ہو گیا۔ البتہ زرتاشہ اور در شہوار کی اکثر باتوں میں سدرہ بھابھی کا ذکر ضرور آ جاتا تھا۔ وہ تھیں بھی تو اتنی پیاری اور ہنس مکھ۔ اگرچہ پھپھو کی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

دونوں بہوئیں ہی اچھے اخلاق کی تھیں۔ لیکن سدرہ کا ان کے گھر آنا جانا زیادہ تھا اس کی شوخ اور چلبلی طبیعت انہیں بھی گھر کے گھٹے ماحول سے کچھ پل کے لئے ریلیف دے دیتی تھی۔ ایک بار زرتاشہ نے اس سے پوچھا کہ پھپھو اور عالیان کی اتنی سخت طبیعت کے باوجود وہ کیسے خوش رہ لیتی ہیں۔'' تو انہوں نے حسب عادت مسکرا کر اسے دیکھا۔

''بھئی سچی بات ہے تمہاری طرح مجھے بھی عالیان کے غصے سے بہت ڈر لگتا ہے اور اس حالت میں تو وہ بالکل آؤٹ ہو جاتے ہیں صرف ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر نکالنے کی کسر رہ جاتی ہے۔ مگر میرا پلس پوائنٹ صرف یہ ہے کہ میں ان کی چاہت ہوں۔'' آنکھوں میں بے پناہ خمار اور لہجے میں ڈھیروں پیار اور شرم گھل جاتی تھی اور وہ تائید اسر ہلا گئی کہ یہ حقیقت ہی تھی۔ اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ ان کے گھر میں عالیان دو یا تین دفعہ سے زیادہ آیا ہو اور جب بھی آیا تھا اس کے چہرے کے تناؤ اور ماتھے کے بڑھتے ہوئے بل اسے اس سے کوسوں میل دور رکھتے تھے۔ در شہوار البتہ چھوٹی ہونے کی وجہ سے اس سے فری ہونے کی کوشش کرتی تھی جو اکثر لاحاصل رہتی اور اب جب کہ پھپھو واپس لاہور آ گئی تھیں اور سدرہ بھابھی کی کینسر کی وجہ سے ڈیتھ کو پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ وہ اکثر ابا کے کہنے پہ خلاف مزاج اور خلاف طبیعت ان کے گھر جاتی تھی۔ جہاں پہ ساڑھے تین سالہ افنان اور سات ماہ کی اس کی توجہ کا مرکز تھے۔ جو اس گھر کے سرد مکینوں کی نسبت بہت شدت سے اس کی آمد کے منتظر رہتے تھے اور اگر وہ یہ جان لیتی کہ اس کا یوں جانا اس کی آئندہ زندگی کو تباہ کر دے گا، اس کی خواہشوں کا دامن خالی کر دے گا اور وہ محبت کو یوں کھونے پہ مجبور ہو جائے گی تو کبھی پھپھو کے گھر کا رخ نہ کرتی۔ بے شک ابا کتنے ہی ناراض ہو جاتے۔ پر ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ جو تقدیر نے لکھ دیا تھا اسے تو کوئی بدلنے پہ قادر نہیں تھا۔ وہ تو ابھی تک حیران اور پریشان قسمت کی ستم ظریفی کو دیکھ رہی تھی وہ کیا ردعمل ظاہر کرتی کہ ابا نے تو اس کے ہاتھ ہی باندھ دیے تھے۔ زبان پہ ایسا قفل پڑا تھا کہ چاہنے کے باوجود وہ اسے کھولنے پہ قادر نہیں تھی۔

''تمہارے ابا کو یوں فون کرنے کے لئے جانا اچھا نہیں لگا۔'' رات کو اماں نے دھیرے سے اسے بتایا تو وہ بس خالی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔ کوئی احتجاج، اشتعال اور شکوہ کیے بنا، ان آنکھوں میں تیرتا دکھ انہیں نظریں چرانے پہ مجبور کر گیا۔ کاش وہ اس کے لئے کچھ کر سکتیں۔ مگر جانتی تھیں کہ جس طرح ساری عمر وہ خود بزدلی اور خوف کا چولا اوڑھے رکھے ہوئے تھیں ویسے ہی اب انہیں اپنی بیٹیوں کا مقدر نظر آتا تھا۔

''یس عالیان خان اسپیکنگ۔'' کتنے دنوں کی محنت کے بعد وہ بالآخر کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ اس آواز کے سنجیدہ اور بھاری پن نے اس کے ارادے کو ایک بار پھر ڈانواں ڈول کر دیا۔ پر اب ہمت تو کرنی ہی تھی۔ لبوں پہ زبان پھیر کر خود کو وسوسوں اور اندیشوں سے کچھ دیر کے لئے آزاد کیا۔

''میں زرتاشہ بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے کوئی رسپانس نہیں ملا۔ گویا اسے اپنا مطلب بیان کرنا تھا اب، اتنا تو وہ اس شخص کے مزاج کو جان ہی گئی تھی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ میرا مطلب ہے کہ آپ اس شادی سے......'' باوجود اتنے دنوں کے اکٹھے کرتے حوصلے کے وہ اس جملہ پہ اٹک ہی گئی۔

''آپ بات جاری رکھیے۔'' وہ اسے ہمت

دلار ہا تھا۔

''آپ شادی سے انکار کر دیں۔'' وہ جانتی تھی کہ یہ جملہ سننے والے کی سماعتوں پہ بے پناہ ناگوار گزرے گا۔ وہ چشم زدن سے اس کے ماتھے کے بڑھتے ہوئے بلوں اور چہرے پہ چھاتی غصہ کی سرخی کو دیکھ سکتی تھی۔

''کیوں۔'' کافی دیر کے انتظار کے بعد مختصر سوال ہوا تھا اور اس کا جواب وہ کیسے دیتی کہ اب دکاندار نے بھی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''بس ابھی میں کچھ عرصہ کے لئے ابا کی ذمہ داریوں میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ اینڈ آئی ایم انگیجڈ ود آذر۔'' اب خاصی صاف آواز میں کہا تھا البتہ آخری جملہ پہ زبان کچھ لڑکھڑا گئی تھی۔ کیا سوچتا ہوگا عالیان کہ کس قدر بے شرم لڑکی ہے جو والدین کے فیصلہ کے خلاف یوں سر اٹھا رہی تھی کہ اپنی چاہت تک کو اس سے ڈسکس کر رہی تھی۔

''مجھے کیا جو بھی سوچے۔'' اگلے لمحہ سر جھٹک کر خود کو اس کیفیت سے نکالا۔

''ایسا ہے زرتاشہ کہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ مما کا ہوگا۔'' خلاف توقع خاصے نرم لہجے میں وہ بول رہا تھا بلکہ در پردہ اپنی ماں کا رعب اسے دکھا رہا تھا۔

''تو آپ شادی کے لئے بھی مما کو ہی پیش کر دیتے۔'' مارے غصہ کے جو جملہ فوری طور پہ نکلا تھا اس کا احساس دوسری طرف سے کھٹاک سے فون بند ہونے پہ ہوا تھا۔ وہ کتنی دیر تک ریسیور کو گھورتی رہی اور دکاندار اسے، جب اسے ان نظروں کا احساس ہوا تو اچھی خاصی تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پے منٹ کی اور باہر نکل آئی۔

''جانے اس کی ہی زندگی میں آج کل کیوں ہر طرف نو لفٹ کا بورڈ لکھا ہوا مل رہا تھا۔''

گھر کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ سخت مضمحل اور پریشان تھی۔ سوچا تھا کہ عالیان کو شادی رکوانے پہ نہ سہی کچھ عرصہ ٹھہر کر کرنے پہ ضرور منا لے گی لیکن اس کمبخت زبان نے پھسل کر سارا کام خراب کر دیا تھا۔

کیا ہو جاتا کہ چھ سات ماہ تک وہ کہیں پہ جاب کر کے کاشف کا مطالبہ تو پورا کر لیتی پر افسوس...... گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا ٹاکرا آذر سے ہوا تھا۔ اس کی بے وقت آمد پہ وہ پوری طرح حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ وہ رف سے حلیے میں اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''زری ایسا کیوں کیا تم نے؟'' وہ سیکنڈ کے ہزارویں لمحہ میں اس سوال کا مطلب جان گئی اور اب گنگ سی کھڑی صرف اسے دیکھے جا رہی تھی جو وحشت زدہ چہرے اور بے بس نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ گویا اماں سب کچھ بتا چکی تھیں۔ اس کی نظر بھٹک کر آذر کے پیچھے ستے چہرے والی اماں اور ان کے ساتھ گم صم بیٹھی اسی حال میں کھڑی خالہ پر پڑی تھی۔ بے اختیار اس کی آنکھیں بھر آئیں وہ کتنا ہی خود کو حوصلہ دے لیتی۔ کتنا ہی مضبوط بنا لیتی اپنے آپ کو مگر اپنی متاع حیات کو یوں کھونا اس وقت اسے کس اذیت سے دوچار کر رہا تھا کوئی زرتاشہ خان کے دل سے پوچھتا۔ آذر اسے جھنجھوڑ رہا تھا وہ رو رہا تھا زمین اور آسمان سبھی اس دکھ پر آہ و فغان تھے۔ دو پیار بھرے دل کتنی بیدردی سے قتل کیے جا رہے تھے، بچپن کے ساتھ کو لمحوں میں توڑ دیا گیا تھا۔ وہ کیسے اس آس و نراش میں گھرے شخص کو اس کی موت کا سندیسہ سنا دیتی جانتی تھی ناں کہ جس راہ پہ ایک قدم وہ چلا تھا اس پہ دو قدم آگے وہ تھی پھر کیسے اس پھولوں بھرے راستے' وہ خود کانٹوں سے بھر دیتی تھی۔ وہ بے اختیار نیچے بیٹھ کر اونچی آواز میں رو دی۔ اتنے دنوں کا لاوا باہر نکل پڑا تھا۔ زندگی بھی اسے ایسے بھی آزمائے گی۔ یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ آذر اس کی حالت پر تڑپ ہی اٹھا۔ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے گر سا گیا۔

''آذر! ہم نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا آخر تقدیر ہم پر رحم کیوں نہیں کھاتی۔ مجھے زندگی جینے کا سلیقہ نہیں آیا اور اس زندگی نے مجھے ہر بار آزمایا۔'' بھرائی سرخ آنکھوں سمیت وہ شکوہ کناں تھی اماں اور خالہ بھی اس کی حالت اور گریہ وزاری پہ رو دی تھیں۔

''تم جانتے ہو۔ میری زندگی میں خوشی صرف ایک شخص سے منسوب تھی اور وہ آذر عباس ہے۔ پھر یہ دنیا والے کیوں مجھے چین نہیں لینے دیتے۔ یہ کیوں خوشیوں کے در بند کرنا چاہتے ہیں ہم پہ سے کیا بگاڑا تھا میں نے جو میرے ہاتھ باندھ کر پھر مجھے ''آزاد ہو'' کا خوش گماں خیال تھما رہے ہیں۔ اس سے تو اچھا تھا میرا گلا گھونٹ دیتے ایک ہی بار۔'' ساری فرسٹریشن مایوسی وہ اس پہ نکال رہی تھی جو اس سے بھی برے حال میں تھا۔ جس کی آنکھیں شب خوابی ور ضبط گریہ سے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ مرد تھا ناں رو کر خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر دکھ بھی تو قیامت کا تھا۔

''میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔ بہت دکھ دیا ہے میں نے تمہیں، ہے ناں آذر۔'' بے تابی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بے چین نگاہیں اس کے چہرے کو کھوجنے لگیں۔ وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ اس میں اس کا کوئی دوش نہیں ہے۔ وہ واقعی معصوم تھی اور اس کے دل میں ابھی بھی اونچی مسند پہ وہی تھی۔ لیکن ہونٹ ایک دوسرے میں یوں پیوست ہو گئے کہ آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اسی وقت بولتے بولتے وہ ایک دم اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

''زری!'' اماں کی چیخ پہ گھر میں داخل ہوتی درشہوار نے تاسف سے اس وجود کو دیکھا جو اتنے عرصہ کی ٹینشن اور فرسٹریشن کو برداشت کرتے کرتے تھک کر آنکھیں موند گئی تھی جس کے چہرے پہ ٹھنڈی زردی اور بند آنکھوں کے کناروں پہ چمکتا پانی اپنی بے وقعتی کا ماتم کر رہا تھا۔

''کاش! وہ اس کے لئے کچھ کر سکتی۔'' تھکے قدموں سے وہ آگے بڑھی جہاں پہ آذر نے اٹھا کر اسے چارپائی پہ ڈال دیا تھا اور اس کے منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اسے آوازیں دے رہا تھا۔ اماں اور خالہ اس کے ہاتھ اور پاؤں مسل رہی تھیں۔

''زری۔'' اس کی پلکوں نے معمولی سی جنبش کی تھی جب آذر نے اس کا چہرہ تھپتھپا کر ایک بار اسے پکارا۔ درشہوار نے گلوکوز ملا پانی آذر کو پکڑا دیا۔

''آپی پلیز آنکھیں کھولیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں یوں خود کو تنہا مت سمجھیں۔'' گلوگیر لہجے میں درشہوار نے جیسے منت کی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اپنے اوپر جھکے چہروں کو خاموشی سے دیکھا اور پھر پلکیں موندنا چاہیں لیکن درشہوار نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا اور آذر نے اس کے منہ سے گلاس لگا دیا۔ وہ تب بھی خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی اور یہ خاموشی شادی تک برقرار رہتی جو اس دن وہ واقعہ نہیں ہو جاتا۔

''آپی آپ بولتی کیوں نہیں ہیں؟'' مایوں کی شام درشہوار نے اسے عاجزی سے دیکھا۔

''کیا بولوں؟'' ایک افسردہ سی سانس باہر نکلی اور ہتھیلیوں کو سامنے کھول کر دیکھا۔

''آپ کو واقعی دکھ نہیں ہے اس بات کا کہ آپ کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ آذر بھائی کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی کل رات وہ کینیڈا کے لئے فلائی کر گئے ہیں۔ کمپنی نے تین سال کنٹریکٹ پہ انہیں بھیجا ہے۔'' وہ افسردگی سے اسے اطلاع دے رہی تھی جو بے بسی سے بیٹھی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ہوئی تھی۔ جانے اس کی کیا فیلنگز تھیں اس وقت، درشہوار نے مایوسی سے یوں سر ہلایا گویا اس کی عقل پہ ماتم کر رہی ہو۔

"آپ کو یہ نہیں لگتا کہ ایک شادی شدہ شخص کو زندگی میں شامل کر کے آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ ایک اور حربہ آزمایا اس کی بے حسی کو توڑنے کے لئے اور وہ کیا کہتی کہ اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی شادی کسی کنوارے شخص سے ہو رہی ہے یا پھر شادی شدہ ہے وہ تو پنجرے میں قید اس پنچھی کی طرح تھی جس کے پر کاٹ کر شکاری نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا تھا اور وہ کیا کر سکتی تھی سوائے اسی قید میں سر گرا کر بیٹھنے کے۔ اسے کیا فرق پڑتا تھا کہ باہر کی فضا کیسی ہے یا پھر اس کے پر کاٹ کر ساتھ دروازہ کھول کر سند یہ تھمایا جا چکا ہے۔ جانتے تھے ناں کہ وہ کسی بھی صورت میں آزاد نہیں ہو سکے گی۔

درشہوار نے کافی دیر تک اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر فیصلہ کن انداز میں ابا کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔"

اماں نے پلوشہ کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ کیا قسمت لے کر آئی تھیں ان کی بیٹیاں صبر کا سبق دیتے دیتے وہ انہیں بزدلی کی حد تک کمزور بنا چکی تھیں۔

"کاشف سے کہو اتنا تو اتاؤلا نہ ہو۔ زری کی شادی ہو لینے دو میرے پاس جو بچا کھچا زیور ہے اسے بیچ کر کچھ کروں گی۔" اماں کی بات پہ وشی اور زری نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"آئی ایم سوری وشی آپا! میں کچھ بھی نہیں کر سکی آپ کے لئے۔" زری نے گلوگیر لہجہ میں ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ تو وہ بے ساختہ رو دی۔ کیا دیا تھا اس نے اپنے گھر والوں کو شادی کے بعد سوائے فکر اور پریشانی کے ہر دوسرے ماہ ایک نیا مطالبہ کاشف کی طرف سے ہوتا اور وہ ماں کے علاوہ اور کسے بتاتی کہ باپ تو بالکل ہی لاتعلق ہو چکا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھول کر ابا اندر آتے تو وہ تینوں خاموش ہو گئیں۔

"کاشف کیوں نہیں آیا؟" ان کی مخاطب یقیناً پلوشہ تھی۔

"انہیں کام تھا اس لئے معذرت کر لی تھی انہوں نے۔" اف حوا کی بیٹیاں کبھی اپنا اور اپنے شوہر کا بھرم نہ ٹوٹنے دیں گی۔ زرتاشہ نے تاسف سے متورم آنکھوں کو چھپانے کی کوشش کرتی پلوشہ کو دیکھا۔

"اور بچے؟" ابا نے کبھی ایسے سوال نہیں کیے تھے۔ زرتاشہ اور اماں نے یک بیک چونک کر انہیں دیکھا۔ ادھر پلوشہ اس سوال پہ اپنے پھٹتے دل کو سنبھالتے نڈھال ہو گئی۔ کیسے رہ رہے ہوں گے دونوں بچے چھ سالہ حذیفہ تو کچھ سمجھدار تھا لیکن دو سالہ زین تو ماں کے بغیر ایک پل نہیں رہتا تھا اور اس ظالم شخص نے اس دفعہ بچوں کو اپنے پاس رکھ کر اسے نئے کرب سے دوچار کرنا چاہا تھا تاکہ وہ اس ایموشنل بلیک میلنگ کا شکار ہو کر جلدی مطالبہ پورا کرتی۔

"پلوشہ میں نے کچھ پوچھا ہے بیٹا!"

"ہیں یہ نرم لہجہ اور لفظ "بیٹا!" زرتاشہ گرتے گرتے بچی اور دوسرا لمحہ اس کمرے کی تینوں خواتین کے ساتھ ساتھ حتیٰ کہ دیواروں کے لئے بھی نامانوس اور ناقابل یقین تھا۔ ابا نے پلوشہ کو اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔ زمین پھٹتی تو بھی اتنا حیران نہ ہوتی وہ، آسمان کا رنگ نیلے کی بجائے سبز ہو جاتا تو بھی وہ اس کا اثر نہ لیتی، سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل آتا تب بھی وہ پریشان نہ ہوتی جتنا اب وہ حیرانگی اور پریشانی سے ابا اور ان کے گلے لگی آنسو بہاتی پلوشہ کو دیکھ رہی تھی۔ حیرانی ابا کے رویے کی اور پریشانی ان کے تھکے انداز پہ ہو رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں میں بہت برا ہوں بڑا گناہ گار اور خطاوار ہوں تم لوگوں کا کہ شاید مرنے کے بعد نہ لے سکوں گا۔" یہ الفاظ اور یہ انداز ابا کے نہیں ہو سکتے۔ اس نے ایک بار پھر ابا کو اور پھر اپنے ساتھ ساکت بیٹھی اماں کو دیکھا جو بس ابا کو دیکھے جا رہی تھیں۔

"یہ احساس جرم کہ میں کبھی تم لوگوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکا میرا چین کتنے عرصہ سے برباد کیے ہوئے تھا اور مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا جس کے ذریعے میں معافی کا سفر طے کر سکتا۔" اب وہ اماں کی طرف مڑے۔

"اور یہ عورت واقعی ایثار و وفائی کی مورتی ہے۔ جس نے میری ہر زیادتی نہ صرف خود برداشت کی بلکہ میری بیٹیوں کو بھی ایسی تربیت کی کہ انہوں نے آج تک پلٹ کر مجھے میری کسی زیادتی پہ جواب نہیں دیا۔" وہ ایک لمحہ کو رکے۔

"مجھے معاف کر دو رقیہ میں بہت ظلم ڈھائے ہیں تم پہ۔" وہ ہاتھ جوڑے سامنے کھڑے تھے۔ چہرے پہ کرب اور ندامت کے تاثرات اور آنکھوں میں بے تحاشہ نمی تھی۔ ساری عمر کرفرانہ انداز اپنانے والا وہ شخص آخر اس عورت کی خاموشی کے سامنے ہار گیا تھا۔ اماں نے برستی آنکھوں سے اٹھ کر ان کے ہاتھ کھول دیئے۔

"ایسا مت کہیں میں کل بھی خوش تھی اور آج بھی بہت خوش ہوں آپ کی ہمراہی میں۔" اس ایک جملے نے ابا کی ندامت میں مزید اضافہ کر دیا۔ کتنی شاکر عورت اللہ نے انہیں دی تھی اور وہ اپنی ساری زندگی اسے اس ایک جرم کی سزا دیتے رہے، جس پہ اس کا کوئی اختیار بھی نہیں تھا۔ بیٹا یا بیٹی تو اللہ کی دین ہے اور یہ بات انہیں بہت دیر میں سمجھ آئی تھی۔

"ابا پلیز آپ اس طرح سر مت جھکائیں۔ ہمیں کوئی شکوہ نہیں آپ سے۔" درشہوار جو دروازے میں کھڑی تھی ان کی حالت پہ بے چینی سے اندر آ گئی۔ ابا نے سر اٹھا کر محبت سے اپنی تینوں بیٹیوں کو دیکھا جو اللہ کا تحفہ تھیں اور وہ اس تحفے سے اتنا عرصہ منہ موڑے رہے۔

"میں جانتا ہوں میری بچی کو مجھ سے ضرور شکوے ہوں گے۔" اب وہ زرتاشہ کی طرف متوجہ تھے۔

"پر اتنا سوچ لینا کہ میں بہت مجبور تھا۔ آپا نے زندگی میں بہت دفعہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے ہر طرح کا سہارا دیا۔ حتیٰ کہ پلوشہ کی شادی اور جہیز کے تمام اخراجات انہوں نے اٹھائے تھے اور پھر ان کے اتنے مجھ پہ احسانات ہیں کہ میں باوجود کوشش کے ان کا دل نہیں توڑ سکا اور اس کے بدلے میں اپنی بیٹی کی دل کی دنیا برباد کر گیا۔ تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ میں بے خبر تھا زرتاشہ کی مرجھائی ہوئی صورت، آذر کی اچانک روانگی اور اس کا وہ مجنونانہ انداز میں سب کچھ جانتا ہوں پر یہ میری آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دو۔ آپا مزاج کی تیز ہیں۔ مگر مجھے صرف اتنی تسلی ہے کہ عالیان عصیلی طبیعت کے باوجود میری طرح کبھی نہیں کرے گا۔ بہت سمجھدار اور سلجھا ہوا بچہ ہے وہ۔"

ابا کی اتنی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں تھی وہ تو اسی بات پہ اتنی خوش اور مطمئن ہو گئی تھی کہ ابا ان کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اب اگر وہ اس کو موت کے کنوئیں میں بھی کودنے کا کہتے تو وہ بالکل نہ ہچکچاتی۔ وہ بے ساختہ ابا کے کندھے سے لگ گئی۔ کتنی پیاری اور مانوس سی خوشبو اٹھ رہی تھی ان کے پاس سے وہ آنکھیں موند گئی۔

"میری یہ بچی تو سب سے بہادر اور عقلمند ہے جس نے مجھے میری زیادتیوں کے ازالے کا طریقہ بتایا ہے۔" انہوں نے درشہوار کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پلوشہ بھی ان کے بازو سے آن لگی تھی۔ اماں نے خوشی سے اپنی تینوں بچیوں کو باپ سے لپٹے دیکھا اور بارگاہ الٰہی

UrduPhoto.com

میں شکر بجا لائیں۔ ہر قسم کی پچھلی زیادتیوں اور دکھوں کو بھلائے وہ اپنے گھر کے سکون کے لئے دعا گو تھیں۔

''آنٹی یہ کیا ہے؟'' افنان نے اپنے توتلے انداز میں اس کامدار دوپٹہ ہاتھ میں پکڑ کر پوچھا۔ وہ کب سے بیٹھا اسے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ ہمیشہ کے سادہ حلیے میں رہنے والی آنٹی آج ان چمکتے کپڑوں میں اسے بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

''یہ دوپٹہ ہے جانو!'' اپنے حلیے اور پوزیشن کا خیال کیے بغیر اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ آج اس کی شادی ہے ہاہ! کتنا خوش کن احساس ہوتا ہے۔ اس لفظ شادی میں اور وہ تو صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ بچے نہ ہوتے تو وہ کیسے اس تکلیف دہ مرحلہ کو برداشت کرتی جسے اس کی شادی کا نام دیا گیا تھا۔ گھر والوں کا رویہ ویسا ہی سرد تھا جیسے ہمیشہ ہوتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے پھپھو آئیں تھیں اور واضح الفاظ میں اسے باور کرایا تھا کہ وہ صرف ان بچوں کی خاطر یہاں لائی گئی ہے۔ اگر وہ چاہتیں تو کہیں اور بھی عالیان کی شادی کر سکتی تھیں مگر بچوں کی وجہ سے ان کی نظر انتخاب اس پر ٹھہری تھی۔ کیونکہ بچے اس سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ عالیان کے کیا خیالات اور تاثرات تھے ان سے فی الحال وہ لاعلم تھی۔ مگر جانتی تھی کہ وہ بھی کم وبیش یہی کہے گا۔ اگر اسے پہلے بولنے کا موقع دے دیا جاتا تو یقیناً زرتاشہ خان بھی ''بچوں'' کو ہی اپنی یہاں موجودگی کا سبب قرار دیتی ہے۔ مگر واہ ری قسمت پھپھو کے سامنے کس میں جرأت ہوتی ہے بولنے کی۔ اس نے سر جھٹک کر ایک بار پھر خود کو افنان کی معصومانہ باتوں میں الجھایا۔ اسی وقت عالیان نے اندر قدم رکھا۔ زرتاشہ نے واضح طور پر افنان کے چہرے پہ سراسیمگی کے تاثرات دیکھے تھے۔ عالیان بچوں کے معاملے میں بھی اتنا ہی سخت اور اکھڑ مزاج تھا جتنا دوسروں کے لئے۔

''افنان آپ کو دادی اماں بلا رہی ہیں جائیے آپ۔'' لہجے میں تحکم اور چہرے کی سختی نے زرتاشہ کی ہڈی میں لہر دوڑا دی اور وہ تو چھوٹا سا بچہ تھا اس لئے فوراً اس کی گود سے نکل کر باہر بھاگ گیا۔

''کیسے گزرے گی زندگی؟'' وہ دروازہ بند کرنے کے لئے پلٹا تو زرتاشہ نے سر اٹھا کر اس کی پشت کو دیکھا اور پھر پلکیں جھکا لیں۔ وہائٹ سادہ کرتا شلوار میں وہ بڑا باوقار دکھائی دے رہا تھا۔

''عالیان بھائی کی پرسنیلٹی کتنی زبردست ہے۔ میں تو کافی عرصہ کے بعد انہیں دیکھ رہی ہوں۔'' ملوشہ نے اسٹیج پہ اس کے کان میں تقریباً گھس کر سرگوشی کی تھی۔ اس سے ملتے جلتے کمنٹس اور بھی کئی لوگوں نے دیے تھے۔ اگرچہ زیادہ دھوم دھڑ کا نہیں کیا گیا تھا کیونکہ پھپھو اور عالیان نے سادگی سے نکاح کا کہا تھا۔ مگر پھر بھی کافی رشتہ دار دور نزدیک کے اکٹھے ہو گئے تھے۔ خالہ نے شادی میں شرکت نہیں کی تھی اس بات نے ان سب کو بے حد دکھی کر دیا تھا اور وہ تو تھی ہی اصل تمام صورتحال میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والی دل کے درد کو کیسے دبایا تھا اور کس طرح ابا کی چرائی، معذرت کرتی نگاہوں کو ''سب ٹھیک ہے'' کی تسلی دی تھی یہ وہ جانتی تھی یا پھر اللہ۔

''یا اللہ! مجھے ثابت قدم رکھنا۔ ابا اور اماں کی توقعات کو پورا کرنے کی ہمت عطا کرنا۔'' آنکھیں بند کر کے شدت سے دعا کی تھی۔ وہ بیڈ کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ صرف قدموں کے نظر آنے پہ اس کی موجودگی کو جان سکی تھی۔

''زرتاشہ! میں جانتا ہوں یہ سب آپ کے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔'' اس کی گھمبیر آواز خاصا نرم تاثر لئے ہوئے تھی۔

''لیکن میں اس سلسل میں مجبور تھا۔ یہ پہلی اور آخری وضاحت ہے جو میں آپ کو دے رہا ہوں۔ مجھے مما بہت عزیز ہیں۔ میں ان کی نافرمانی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ان کی نظر انتخاب آپ پہ ٹھہری تھی اور میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔''

چلو جی! بات ہی ختم ہو گئی۔ یہاں دل کی دنیا تباہ کر دی گئی اور محترم عام سے انداز میں وضاحت دے رہے ہیں اپنے رویے کی کتنا سنگدل محسوس ہو رہا تھا اسے بے وہ کسی قسم کی ہمدردی، نرمی یا اپنائیت کی تو خیر کوئی امید نہیں تھی اس سے، مگر پھر بھی انسان کسی وقت دلجوئی کی خاطر ہی تسلی کے دو بول بول دیتا ہے۔ جب کہ یہاں تو مزاج میں اس قدر گرمی بھری ہوئی تھی کہ منہ سے بھی انگارے ہی برستے تھے۔ وہ کیا کر سکتی تھی۔ سوائے خاموشی کے یہ نادر خیالات سننے کے۔ اسی وقت موبائل کی بیپ نے ماحول میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ رات کے اس پہر آنے والی کال نے عالیان کے ساتھ زرتاشہ کو بھی چونکا دیا۔ اسی لئے وہ بھی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ جو خاموشی سے دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

''سر معذرت چاہتا ہوں آپ کو! اس وقت ڈسٹرب کیا۔ مگر اطلاع ایسی ہے کہ آپ کا آرڈر کے مطابق مجھے فون کرنا پڑا۔'' انسپکٹر عبدالجبار معذرتی لہجہ میں کہہ رہا تھا۔

''اٹس آل رائٹ تم اپنی بات جاری رکھو۔''

''سر! وقار الدین کے خاص اڈے کے متعلق پتا چلا ہے جہاں یہ اس کی موجودگی آج یقینی ہے۔ کوئی فارن گروپ ہے جس سے اس کی خاص ڈیلنگ ہے تھوڑی دیر میں۔''

''ٹھیک ہے میں پہنچتا ہوں تم تیاری مکمل کرو۔'' عجلت میں سیل فون آف کر کے وہ اس کی طرف پلٹا۔

''آئی ایم سوری مجھے ضروری کام ہے۔'' قدرے بے بسی سے اپنی طرف دیکھتی زرتاشہ کو کہا اور ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد فل یونیفارم میں باہر نکلا۔

''آپ بھی چینج کر لیں ہو سکتا ہے مجھے دیر ہو جائے۔'' سپاٹ انداز میں اطلاع دے کر یہ جا وہ جا وہ کچھ دیر تک اس افراتفری پہ سوچتی رہی اور پھر سر جھٹک کر وارڈ روب سے کاٹن کا سوٹ نکال کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

''مجھے اب بالکل نہیں سوچنا اس کو۔'' بستر پہ لیٹتے ہوئے خود کو سمجھایا اور کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

صبح تقریباً گیارہ بجے وہ تھکا ہارا گھر آیا تھا۔ وہ پھپھو کے کہنے پہ کامدار کپڑے پہنے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حالانکہ ان میں وہ خود کو بہت ان ایزی فیل کر رہی تھی، مگر حکم حاکم مرگ مفاجات کے مصداق مارے باندھے بیٹھی ہوئی تھی۔ قالین پہ پاس ہی دعا گھٹنوں کے بل چلنے کی کوشش میں گرتی پڑتی کھیل رہی تھی۔ افنان بھی اپنے کھلونوں کے ساتھ مصروف تھا۔

''السلام وعلیکم!'' زرتاشہ نے روا داری نبھائی وہ سر سے جواب دیتا اندر چلا گیا۔

''پانی لاؤں آپ کے لئے۔'' وہ کپڑے نکال کر پلٹا تو اسے اپنا منتظر پایا۔ اس کے چہرے پہ چھائی ناگواری سے گھبرا کر زرتاشہ نے فوراً گھبرا کر سوال داغ دیا۔ یہاں کسے شوق ہے آپ کے پیچھے آنے کا۔ پھپھو صاحبہ کے فرمان پہ وہ کمرے میں آئی تھی۔ اپنے غصہ کو دبا کر سر جھٹکا

''نہیں'' حسب عادت ایک لفظ میں جواب دے کر وہ واش روم میں بند ہو گیا تو وہ بھی بیزاری سے باہر آ گئی۔

''باجی جی آپ کا فون ہے۔'' ملازمہ کی اطلاع پہ کارڈلیس تھاما۔ اماں کا فون تھا۔ اس سے کہہ رہی تھیں کہ وہ اسے لینے کے لئے آنا چاہ

UrduPhoto.com

رہی ہیں۔ وہ کیا جواب دیتی اس لئے انہیں ہولڈ کرواکر پھپھو تک اماں کا پیغام پہنچایا تو وہ خود ہی بات کرنے لگیں۔

''نہیں رقیہ ابھی تو نہیں ویسے بھی یہ رسمیں اب فرسودہ ہو گئی ہیں۔ آتی جاتی رہے گی فکر مت کرو۔ ذرا بچوں کے ساتھ اسے ایڈجسٹ ہو لینے دو۔'' لہجے میں تپش اور حکم نمایاں ہو گئے۔ دوسری طرف سے اماں نے کیا کہا اور پھپھو نے کیا جواب دیا اسے اب اس سے کوئی غرض نہیں تھی، اپنے کانوں کو ہر طرف سے بند کر کے اپنی ہتھیلیوں کو کھول کر دیکھنے لگی۔ قسمت کی کون سی لکیر اس سے دغا کر رہی تھی مسلسل۔ مگر ایک بات بچی تھی کہ وہ ساری زندگی ان لکیروں کی چکر پھیریوں سے نہ نکل سکی تھی اور نہ ہی اسے امید تھی کہ مستقبل بھی کبھی اس پر مہربان ہوگا۔

''آنی یہ ٹوٹ گیا۔'' افنان کافی دیر سے اپنے کھلونے میں الجھا ہوا تھا اب ہر پریشان چہرے کے ساتھ ٹوٹا ہوا ٹرک لے کر اس کے پاس آگیا۔

''یہاں تو بیٹا نجانے کیا کیا ٹوٹ گیا مگر شور نہیں ہوا۔'' بڑبڑا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''ابا نے کاشف بھائی کا کوئی بھی مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا ہے اور کاشف بھائی نے وشی آپا کو مینٹلی ٹارچر کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ابا اور اماں وشی آپا کو گھر لانے کے لئے گئے ہیں۔'' درشہوار نے پڑوس کی خالہ بی کے گھر سے فون کیا تھا۔ یہ سب سن کر بہن کے دکھ پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ کتنی ڈانواڈول تھی اس کی زندگی۔ شاید ہر عورت ہی ایسی بے اعتبار زندگی گزارتی ہے۔

''آپی! ابا بہت بدل گئے ہیں اتنا خیال رکھتے ہیں ہمارا کہ لگتا ہے نہیں وہ پہلے والے ابا ہیں۔ کل آپ کے لئے بہت اداس ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ جلد ہی فون لگوائیں گے اور پھر روز آپ سے بات کیا کریں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ نے جیسے ابا کو اپنی زیادتیوں کا احساس دلا دیا ہے۔ اللہ کرے کاشف بھائی بھی سنبھل جائیں۔'' اس کی آواز رندھ سی گئی۔

''فکر مت کرو انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ کب تک ماں کے پیچھے لگ کر وہ زندگی خوار کریں گے۔ آخر ایک دن تو آئے گا جب وہ بیوی کی طرف پلٹیں گے اور اپنی ماں کی زیادتی کا انہیں احساس ہوگا۔ درشہوار کو تسلی دیتے ہوئے اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس کے پیچھے کھڑی مہوش یہ سب اپنے انداز میں لے گی۔ جو نہی فون رکھ کر پلٹی تو ان کے خوفناک تیور اس کے پزل کر گئے۔''

''ماں بہت چبھتی ہے تمہیں ارے اس کی ماں تمہاری بھی کچھ لگتی ہے۔ خدا کی پناہ سگی بھتیجی پھپھو کو ظالم کہہ رہی ہے۔ کب وہ لگا ہے میرے پیچھے۔'' پہلے تو وہ اس بمباری کا مطلب ہی نہیں سمجھی اور جب سمجھ میں آیا تو پھپھو کے واویلے کے سامنے اس کی کوئی وضاحت کام نہیں آئی۔

''پھپھو پلیز۔'' ایک بار پھر کہنے کی ناکام کوشش کی لیکن وہ اس کی بات کاٹ گئیں۔

''میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم رقیہ کی بیٹی ہو اس گھنی، کینی نے ساری عمر روتے گزار دی جانے کس چیز کا غم تھا اسے میرا بھائی سکون کے لئے ترس کر رہ گیا اور اب تم میرے بیٹے کا آرام وسکون تباہ کرنے آگئی ہوں۔ جانے کون سی گھڑی تھی جب بھائی کی محبت سے مغلوب ہو کر میں تمہیں مانگ بیٹھی۔ میری قسمت میں بہوؤں کا سکون کہاں۔ ایک میاں کو لے کر الگ بیٹھی ہے۔ سگا بیٹا ہو کر ماں کی خوشی، غم سے بے نیاز ہے اور دوسری اس کا بھی سرا لگی۔ مسکین بن کر لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کا اچھا سبق دیا ہے تمہیں تمہاری ماں نے۔''

''پھپھوامی کو کچھ مت کہیے گا۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ماں کی توہین وہ کسی صورت نہیں برداشت کر سکتی تھی۔ شاید دنیا میں کوئی بھی اپنے ماں باپ کے خلاف کچھ نہیں سن سکتا ہے۔ اگر رب نے ماں باپ کے دل نرم کیے ہیں اولاد کے لئے تو اولاد میں بھی خون کا جوش اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ پھپھو نے ایک دم چپ ہو کر بغور اس کا چہرہ دیکھا اور وہاں سے چلی گئیں۔ وہ ان کی اس خاموشی پہ الجھ کر رہ گئی۔ جانے کیا سوچ بیٹھی تھیں اب۔

''آپی! کرن کی شادی ہو رہی ہے اگلے مہینے۔'' درشہوار نے یہ بھی تو بتایا تھا اور وہ وشی آپا کی پریشانی میں صحیح سے سمجھ نہیں سکی تھی۔ لیکن اب جو سوچا تو سب یاد آنے لگا۔

''زری جب ہماری شادی ہوگی ناں تم ہم لوگ نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔ ابھی میں اس لئے نہیں جانا چاہتا کیونکہ پھر تم سے ملنے کا جو بہانہ ہے روز کا وہ بھی ختم ہو جائے گا۔'' وہ اکثر اسے یونیورسٹی چھوڑنے چلا جاتا تھا کیونکہ اس کا آفس بھی اسی روڈ پہ تھا۔ وہ اس محبت پہ تفاخر سے مسکرا دی تھی۔ کوئی تو تھا اس دنیا میں، جو اسے سمجھتا تھا، جس کے لئے وہ آتی جاتی سانس کا دوسرا نام تھی۔ جس کی چاہت اسے گھنٹوں مغرور کیے رکھتی تھی۔

''جی نہیں میں اماں سے دور نہیں جاؤں گی۔ گلشن اقبال اتنا دور ہے یہاں سے۔'' وہ کچھ خفگی سے بولی۔

''یار گاڑی ہوگی ناں میرے پاس روزانہ تمہیں یہاں لایا کروں گا۔'' اس نے تسلی دی تو وہ ایک بار پھر مسکرا دی۔ اس کی سنگت اسے یونہی سرشار کیے رکھتی تھی۔

''ابا نے خالہ سے معافی مانگی تھی اور خالہ اتنی اچھی ہیں کہ کوئی بھی بات کہے بغیر انہیں معاف بھی کر دیا مگر......'' وہ کچھ افسردہ ہوگئی تھی۔

''مگر آذر بھائی نے واپس آنے سے انکار کر دیا ہے حتی کہ کرن کی شادی پہ بھی نہیں آئیں گے۔ حالانکہ کمپنی کی طرف سے انہیں سال میں ایک بار آنے جانے کی فری ٹکٹ اور دو ماہ کی چھٹیاں بھی الاؤ ہیں۔''

''آذر تم واقعی بہت سچے تھے اور میں اتنی ہی بزدل اور دوغلی۔'' بیدردی سے اپنا تجزیہ کیا۔

''آنٹی!'' ہمیشہ کی طرح افنان نے آکر اسے اذیت ناک سوچوں میں نکالا تھا۔

''آنٹی نہیں مما بولو بیٹا!'' جانے کس احساس کے تحت وہ اسے ٹوک گئی۔

''مما؟'' بچے نے حیرت سے اس نئے لفظ کو دہرایا۔

''جی میری جان میں آپ کی مما ہوں ناں تو آپ مجھے آنٹی نہیں کہیں گے دوبارہ۔'' بے اختیار بچے کی معصوم شکل کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو بھیگنے سے نہیں روک سکی تھی۔ اس لئے اسے اپنی گود میں لے کر اس کے گالوں کو چوم ڈالا۔ کتنی لاپرواہ ہو گئی تھی وہ ان معصوموں سے لاشعوری طور پہ ''بڑوں'' کی زیادتیوں کا بدلہ بچوں کو اگنور کر کے لے رہی تھی۔ یہ بھول گئی تھی کہ وہ معصوم پھول تو سب سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ ان حالات میں۔ بچہ اپنی معصومیت کے ذریعے بار بار اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا تھا اور وہ پل پل اسے پیار سے نوازکر ان سے بیگانہ ہو جاتی تھی۔ حالانکہ خود وہ اپنے سے اس عہد کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی کہ کسی بھی صورت میں بچوں کو نظر انداز کر کے انہیں زرتاشہ یا پلوشہ نہیں بننے دے گی اور اب دھندلی آنکھوں سے ایک بار پھر افنان کی طرف دیکھا جو بے نیازی سے اس کے دوپٹے میں لگے گھنگھروؤں میں مگن تھا اور دعا وہ جانے کہاں تھی۔ اس نے کبھی بھی پھپھو کو ان بچوں کو گود میں بٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا آپا کی ذمہ داری

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تھا۔ انہیں تو سوشل ورک سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی اور باپ تو شاید سوائے گھورنے، ڈانٹنے کے کچھ اور کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

"بچے بہت اگنور ہو رہے تھے سدرہ بھابھی کے بعد میں نے اور ریحان نے کئی بار کوشش کی کہ اپنے ساتھ لے جائیں مگر آنٹی نہیں مانیں۔ بہت ترس آتا تھا۔ ان کی زندگیوں پہ نجانے عالیان بھائی کیوں اولاد سے اتنے لاپروا ہیں۔" زینیا نے خاصے دکھ سے کہا تھا اور اب وہ بھی عالیان اور مہوش پھپھو کے نقش قدم پہ چل کر وہی راہ اختیار کرنے جا رہی تھی۔ اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا غم منانے میں اتنی مصروف ہو گئی کہ خود سے جڑے ان ننھے فرشتوں کو بھول گئی۔

"اگر سدرہ بھابھی ہوتیں تو کیا یہ یونہی نوکروں کے رحم و کرم پہ ہوتے۔" وہ خود احتسابی کے دور سے گزر رہی تھی اور آنکھوں سے بہتا پانی شدت سے باہر اپنا راستہ بنا رہا تھا۔

"مما! کیا ہوا؟" افنان نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں بیٹا!" نفی میں سر ہلا کر اپنا چہرہ صاف کیا۔ جانے کیوں وہ روز بروز اتنا کمزور دل ہوئے جا رہی تھی۔ حالات کس رخ کروٹ بدلیں گے۔ اس سوچ نے ہمہ وقت اتنا ذہن کو گھیر لیا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اندر کا پانی باہر نکل آتا تھا۔

"کیا پکا رہی ہیں آپ؟" صبح سے ریحان اور زینیا اپنے دو سالہ بیٹے ارحم کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ چھٹی کا دن اس لئے عالیان بھی گھر پہ ہی تھا۔ البتہ پھپھو نے زینیا کے آنے کا سن کر برا سا منہ بنایا تھا اور پھر شام تک واپس آنے کا کہہ کر گھر سے چلی گئی تھیں۔ وہ شادی کے بعد خانساماں کو ہٹا چکی تھی۔ اب بھی وہ چکن جلفریزی اور فرائیڈ چکن بنا کر بچوں کے لئے چاؤ من بنا رہی تھی۔ دوسری طرف چولہے پہ چاول تیار کر رہی تھی۔

"کچھ خاص نہیں بنا رہی کوشش کر رہی ہوں کہ کچھ بن جائے۔" مسکرا کر زینیا کی طرف دیکھا۔

"ارے خیر یہ تو رہنے دیں۔ آپ کے کھانے تو کافی مشہور ہیں محترمہ میرے میاں صاحب تو اب ہر کھانا کھانے سے پہلے آپ کی ڈشوں کی تعریف ضرور کرتے ہیں اور مجھے خوامخواہ جیلس کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ میں خاصی جیلس پروف ہوں۔" زینیا میں یہ خوبی تھی کہ وہ نہ خود چپ ہو کر بیٹھیں تھی اور نہ ہی دوسرے بندے کو بور ہونے دیتی تھی۔ زرتاشہ سر ہلاتے ہوئے اسے سنے جا رہی تھی۔

"مجھے بھی بتاؤ کوئی کام میں اتنی دیر تک فارغ نہیں بیٹھ سکتی۔"

"ایسا کرو تم یہ نوڈلز بوائل کر لو میں تب تک چاولوں کے لئے چکن فرائی کر لیتی ہوں۔" اسے پلیٹ تھما کر وہ چکن کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"زرتاشہ ایک بات پوچھوں؟" اگرچہ اس کا لہجہ سرسری تھا مگر زرتاشہ کو ایسا لگا جیسے وہ کچھ خاص پوچھنے جا رہی ہے۔ کوئی جواب دیے بنا کر اس نے بخشش سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آنٹی کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟"

"کیسا ہونا چاہیے؟" جواب کے بجائے سوال کیا۔ زینیا نے ابلتے پانی میں نوڈلز ڈالتے ہوئے بغور اسے دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات چیخ چیخ کر اسے کے سرسری لہجہ کی نفی کر رہے تھے۔

"سوری تو سے، بٹ آنٹی یہ صحیح نہیں کر رہیں۔ پہلے سدرہ بھابھی اور اب تم، میں تو خیر کسی گنتی میں ہی نہیں شمار ہوتی کہ میری وجہ سے

UrduPhoto.com

ان کا بیٹا بھی ان سے دور ہو گیا ہے۔ مگر اللہ گواہ ہے میرے دل میں ان کے لئے ماں جتنی محبت ہے میں نے ماں کا لمس کبھی محسوس نہیں کیا۔ بہت چھوٹی تھی جب امی فوت ہو گئیں۔ اب مجھے لگتا تھا کہ آنٹی کی صورت میں ماں کو پا لوں گی۔ مگر یہ بھول گئی کہ جو بیٹے کی پسند ہو وہ بھی بٹی تو کیا پسندیدہ بہو کا درجہ بھی نہیں پا سکتی سسرال میں۔" لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے والی زینیا ہے جو شوخ اور زندگی سے بھرپور قہقہوں سے سارے گھر میں رونق لگائے ہوئے تھی۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے زری کہ ماں باپ اولاد کی ہر بڑی سے بڑی غلطی کو معاف کر دیتے ہیں ساری زندگی انہیں اپنی مرضی سے خوشیاں دیتے آتے ہیں لیکن جب وہ اپنی پسند سے کسی خوشی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ اتنے پتھر دل کیوں ہو جاتے ہیں۔" نم آنکھوں سے وہ سوال کر رہی تھی اور زرتاشہ کے حلق میں نمکین پانی کا گولا اٹک کر رہ گیا۔ واقعی ماں باپ بھی کتنی بڑی آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔

"میں تم بن جی نہیں سکوں گا زری۔" وہ گھمبیر لہجہ آس پاس بولنے لگا۔ وہ لاکھ سر جھٹکتی مگر ہر بار محبت اس کے سامنے آن کھڑی ہوتی تھی کبھی سوالی بن کر، کبھی سلگتی ہوئی اور کبھی سلگاتے ہوئے۔

"عالیان بھائی بھی تمہارے ساتھ ویسے ہی روڈ ہیں؟" جب وہ جانتی تھی تو پھر پوچھنے کا فائدہ۔

"بھلا عادتیں بھی بدلتی ہیں۔" بے اختیار اس کی زبان سے پھسلا تو زینیا باوجود اداسی کے اس کے انداز پہ مسکرا دی۔

"فکر مت کرو تمہاری اس پیاری صورت سے کب تک نظر بچائیں گے۔"

شرارت میں کہی گئی بات اگرچہ کافی معانی رکھتی تھی مگر وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ برنر آف کر کے شامی کو آواز دینے لگی۔

"برتن سیٹ کرو ٹیبل پہ۔" وہ محسوس کر سکتی تھی کہ زینیا کی شوخ نگاہیں ابھی تک اس کا طواف کر رہی ہیں۔

"تمہارا کام ہو گیا۔" وہ آخر جھنجھلا کر اس کی طرف پلٹی۔

"ہوں اب تو تمہارے کام کا انتظار ہے۔" وہ مسلسل شرارت پہ آمادہ تھی۔

"چلو کھانا نکالو شامی برتن لگا چکا ہے۔" وہ اس کے ہر انداز کو دانستہ نظر انداز کرتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔ ارادہ تھا پہلے بچوں کو دیکھ لے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور پھر ٹیبل پہ جائے گی۔ اس وقت تک زینیا کا دماغ بھی کچھ ٹھیک حالت میں آ جائے گا۔

"بھابھی کھانے میں کتنی دیر ہے۔ ایمان سے پیٹ چوہے ہر کھیل شروع کر چکے ہیں۔" لاؤنج میں بچے کارٹون دیکھنے میں مصروف تھے پاس ہی دعا ریحان اور عالیان کے پاس صوفے کے سہارے کھڑا ہونے کی کوشش کرتی خود ہی اس کھیل کو انجوائے کر رہی تھی۔ عالیان کی ساری توجہ سامنے کھلے اخبار کی طرف تھی جب کہ ریحان کبھی دعا کی انگلی پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دینے لگتا اور کبھی بے بسی سے اسکرین پہ بھاگتے دوڑتے بے بی لونی ٹونز کو دیکھنے لگتا تھا۔ ریحان کی دہائی پہ عالیان نے صرف ایک نظر اخبار سے ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر دوبارہ ادھر متوجہ ہو گیا۔

"بس کھانا تیار ہے۔ زینیا لگوا رہی ہے ٹیبل پہ۔ آ جائیں آپ لوگ بھی۔" خوشدلی سے اسے جواب دے کر وہ افنان کی طرف بڑھی جو تقریباً مکمل نیند میں جانے والا تھا۔

"افنان اٹھو جان! آپ نے کھانا کھانا ہے۔" ہولے سے گال تھپتھپا کر اسے اپنی گود میں اٹھایا۔ ریحان نے بغور یہ منظر دیکھا جس میں دونوں نفوس ایک دوسرے سے یکسر اجنبی

اپنے معمولات میں مگن تھے۔ بھائی کی بے اعتنائی تو اسے بھی بہت چبھا کرتی تھی جب وہ سدرہ بھابھی تک کو بعض دفعہ ایسے اگنور کرتے تھے جیسے انہیں جانتے ہی نہ ہوں۔ وہ اس وقت بھی ایسے ہی کڑھا کرتا تھا اور اب تو خیر بات ہی اور تھی۔

”ریحان آ جائیں، عالیان بھائی آپ بھی آ جائیے۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ زینیا نے آ کر شور مچا دیا تو وہ بھی عالیان کی تقلید میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”زبردست بھابھی کھانا بہت مزے کا ہے۔ اسپیشلی یہ فرائیڈ چکن۔“ ریحان اور زینیا مسلسل تعریف کیے جا رہے تھے۔ البتہ عالیان سر جھکائے بنا کوئی تاثر دیے کھانے میں ایسے مصروف تھا جیسے اس کے علاوہ ٹیبل پہ کوئی اور نہ ہو۔

”زری تم نے ایم سی ایس کیا ہے۔ پھر کیوں تم جاب نہیں کر رہیں۔“ اچانک زینیا نے سوال کیا تو اس کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔ کتنے خواب بنے تھے کبھی جاب کے اور اب تو ایسا سوچنا بھی ناممکن تھا۔ افنان کے منہ میں نوڈلز ڈالتے ہوئے وہ اس کے سوال کو قطعی نظر انداز کر کے ریحان سے کہنے لگی۔

”ریحان یہ کباب بھی لو نا۔“ ریحان نے سر ہلا کر گویا پیٹ فل ہونے کا اعلان کیا۔ عالیان ٹیبل سے اٹھ چکا تھا۔ اس کی گود میں بیٹھی دعا بھی اب نیچے اترنے کے لئے مچل رہی تھی۔ اگرچہ دونوں بچے خاصی حد تک کمپرومائزنگ اور خاموش طبیعت کے مالک تھے مگر زرتاشہ کی بھرپور توجہ کی وجہ سے وہ کچھ حد تک اپنی ان عادات سے ہٹ رہے تھے۔

”زری تم لوگوں نے ضرور آنا ہے، عالیان بھائی سن رہے ہیں ناں آپ؟ ارحم کی پہلی برتھ ڈے پہ بھی آپ نے مصروفیت کا بہانہ گھڑ دیا تھا مگر اب میں کچھ نہیں سنوں گی۔“ جاتے وقت زینیا ارحم کے برتھ ڈے فنکشن پہ پورے خلوص اور دھونس سے دعوت دے رہی تھی۔ عالیان دھیرے سے سر ہلا کر مسکرا دیا۔ زرتاشہ نے دیکھا ریحان اور زینیا کی موجودگی میں نہ صرف وہ خوشگوار موڈ میں رہا تھا بلکہ اس کے چہرے پہ نرم تاثرات اس کی بھائی سے محبت کو ظاہر کر رہے تھے۔ ریحان بھی بھائی سے بے حد احترام سے بات کر رہا تھا۔ مگر اس انداز میں بھی عالیان کے لئے بے پناہ محبت کا رنگ جھلک رہا تھا۔

”میں آج آنٹی کو بھی انوائیٹ کرنے آئی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ نہیں آئیں گی مگر تم میری طرف سے انہیں ضرور کہہ دینا۔ پتا نہیں وہ کیوں ایسا کرتی ہیں؟“ آزردگی سے کہتے ہوئے وہ پلٹ گئی۔ زرتاشہ نے بھی طویل سانس لے کر کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ یہ تو وہ بھی نہیں جانتی تھی کہ پھپھو ایسا کیوں کرتی ہیں۔ کہنے کو وہ ان کی سگی بھتیجی تھی مگر اس کے ساتھ ان کا رویہ اتنا اہانت آمیز اور تحقیرانہ ہوتا تھا کہ بہو تو کیا ملازمہ لگتی تھی وہ ان کی اور وہ شخص جس کے ساتھ اسے زندگی بھر کے لئے منسلک کر دیا گیا تھا نظر اٹھا کر بھی اسے دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ پہلی رات سے ہی وہ علیحدہ کمرے میں سوتا تھا اور وہ بچوں کے کمرے میں ہوتی تھی۔ گویا اسے یہ باور کروا دیا گیا تھا کہ وہ صرف بچوں کے لئے لائی گئی ہے۔ وہ اتنی اِل کانفیڈینٹ نہیں تھی کہ مقابل کے سامنے کھڑی ہو کر بات نہ کر پاتی مگر حالات نے اسے اتنا بزدل بنا دیا تھا کہ وہ بات کرنے سے پہلے کتنی بار سر اٹھا کر اس کے ماتھے کے بل گنا کرتی تھی۔ اس کے کیا حقوق تھے اس سے اس گھر میں کسی کو سروکار نہیں تھا البتہ اس کے فرائض کو دن میں کتنی بار دہرایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن پھپھو نے عالیان کے سامنے یہ تک کہہ دیا تھا کہ ”بچے دو ہی اچھے ہوتے ہیں اگر ان کی

تربیت صحیح طور پہ کی جائے۔“ درپردہ جو بات اسے جتائی گئی تھی اس نے زری کو سن کر دیا۔ کس سے فریاد کرتی، کس سے حساب مانگتی ان دکھوں کا، بھری آنکھیں اٹھا کر اس نے عالیان کی طرف دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ یعنی وہ بھی ماں کا ہمنوا تھا۔ کیا چاہتی تھیں مہوش۔ کس طرح وہ خوش رہ سکتیں تھیں؟ وہ اس ہنر سے ناواقف تھی اور یہ ہنر تو ساری عمر گزارنے کے باوجود اس کی ماں بھی نہیں سیکھ پائی تھی جو کہنے کو مہوش کی دوست تھی۔ ان جیسی خود پسند عورتیں کسی کی بھی نہیں ہوتیں۔

”مجھے مما سے بہت محبت ہے۔ میں انہیں دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر جب وہ میری خواہش کو ضد بنا بیٹھیں تو مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا، جس کی سزا تین سال گزرنے کے باوجود کم نہیں ہو رہی۔ پہلے بابا ان کے سرد رویے کا شکار رہے ساری عمر اور اب شاید مجھے یہ بیگانگی برداشت کرنا ہے۔“ آج وہ جب لاؤنج کے سامنے سے گزری تھی تو ریحان کو عالیان سے کہتے ہوئے سنا تھا۔ کتنا دکھ، اذیت تھی اس کے لہجے میں جب وہ اپنے بیٹے کے لئے اتنی سنگ دل ہو سکتی تھیں تو وہ تو پھر ان کی بھتیجی تھی جس کے پاس نہ امارت تھی نہ ہی دولت اور نہ ہی سدرہ جیسا پسندیدگی کا پلس پوائنٹ تھا۔ وہ تو ان کے بیٹے کے لئے بھی ایک معمول تھی جسے وہ بحالت مجبوری گھر پہ برداشت کرتا تھا۔

”عالیان! اس کیس میں بہت رسک ہے۔“ ڈی آئی جی عاطف شاہ نے چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اسے دیکھا۔ جس کے چہرے کے تاثرات سنگین حد تک سنجیدہ اور پتھریلے تھے اس وقت۔

”آئی ایم ریڈی فار ایوری رسک سر دو ماہ قبل بھی کسی کی مخبری کی وجہ سے وقار الدین وہاں سے غائب ہو گیا مگر اب میں اسے کوئی موقع نہیں دینا چاہتا۔“

”میں جانتا ہوں تم کافی عرصہ سے اس کیس پہ کام کر رہے ہو۔ میری طرف سے تمہیں فری ہینڈ ہے مگر وقار الدین کی پشت پہ بہت مضبوط ہاتھ ہیں۔“

”آئی نو سر! اگر ان لوگوں کی بیک اتنی مضبوط نہ ہو تو کبھی بھی ایسے کام کرنے کا نہ سوچیں جس میں سارا نقصان ہی ان کے ملک کا ہو۔ پتا نہیں کیوں یہ لوگ کیوں غیروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جاتے ہیں۔“ اس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

”پیسہ بہت میٹر کرتا ہے مائی سن! اسی پیسہ نے ہی تو ہر طرف کرپشن پھیلا دی ہے حتیٰ کہ ہمارا ڈیپارٹمنٹ جس کی بنیاد یہ فرض شناسی اور وطن پرستی پر رکھی گئی ہے، وہ اس کی لپیٹ میں ایسے آ چکا ہے کہ ہم چاہیں بھی تو اس برائی کی جڑ کو ختم نہیں کر سکتے۔ کیوں ہوتا ہے ایسا کہ جب بھی کہیں یہ ریڈ کیا جاتا ہے تو پولیس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ گنے چنے فرض شناس آفیسرز اگر اپنی ڈیوٹی کو دیانت داری سے نبھانا چاہتے ہیں تو کیوں ان کے ٹرانسفر ہو جاتے ہیں۔ یا پھر راہ چلتے کسی گولی کا شکار بن جاتے ہیں۔“ ان کے لہجے میں اپنا دکھ بولنے لگا تھا ان کا بھائی عالیان سے پہلے اس سیٹ پہ تھا۔ مگر اس کی اپنی وردی اور وطن سے ایمانداری کو ایسے روندا گیا کہ وہ گھر جاتے ہوئے نامعلوم لوگوں کی فائرنگ سے موقع پہ دم توڑ گیا۔ عاطف شاہ تو پہلے ہی کرپٹ افراد کے خلاف پوری تندہی سے کام کر رہے تھے اس واقعہ کے بعد تو انہوں نے کسی بھی ”بڑے“ کی بات سننا ہی چھوڑ دیا۔ عالیان کی وطن پرستی اور فرائض کی دیانتداری سے ادائیگی نے انہیں اتنا متاثر کیا کہ بہت سے کیسز اسے ریفر کر دیے۔

”میں جانتا ہوں سر ایسے بہت سے لوگ

UrduPhoto.com

ہیں جو کرپشن، قتل و غارت کے خلاف ہیں وہ اس چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں مگر وقار الدین جیسے لوگ ان کی ٹانگ ہر بار کھینچ کر انہیں دوبارہ اسی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔ یہ ملک جسے جانے کتنے لوگوں نے اپنے خون سے پروان چڑھایا ہے جس کی بنیادوں میں کتنے بزرگوں کی خواہشیں اور خواب دم توڑ گئے ہیں، جس کو بنانے کے لئے کسی نے بھی اپنے تن من دھن کی پروا نہیں کی۔ کتنی ماؤں کی دعائیں اور امیدیں اس وطن کی صورت میں پوری ہوئی ہیں۔ اس کو نقصان پہنچانے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ لوگ صرف آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ ابھی اس وطن کی باگیں سنبھالنے والی نسل اتنی کمزور نہیں ہوئی۔ جو دولت کی چکا چوند سے متاثر ہو کر قائداعظم کے خواب کو ملیامیٹ کر دیں۔ ابھی ہم اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو نہیں بھولے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک اس پیارے ملک پہ آنچ نہیں آنے دیں گے۔ آپس میں چاہے کتنے بھی اختلافات ہوں مگر جب کوئی تیسرا فرد ہمارے درمیان آ کر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ہمیشہ منہ کی کھاتا ہے۔" اس کا مضبوط اور اٹل انداز اور پرعزم لہجہ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر عاطف شاہ کو متاثر کر گیا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ محض لفاظی نہیں کرتا بلکہ وہ کئی اتنے خطرناک مجرموں کو پکڑ چکا تھا جن تک رسائی بھی ناممکنات میں تھی۔

"آئی ایم پراؤڈ آف یو عالیان!" انہوں نے توصیفی انداز میں اسے دیکھا وہ محض ہولے سے مسکرا دیا۔

"ہاؤ از یور وائف؟" انہوں نے اس کا موڈ بدلنا چاہا۔

"فائن سر!"

"یار! اتنے انوالو تو ہوا کرو ہر کیس میں اپنی پرسنل لائف بھی ڈسٹرب کر دو۔ شادی کے پہلے ہی تم ریڈ کرنے پہنچ گئے۔ کیا سوچتی ہو گی تمہاری وائف۔ بیلنس اچھی چیز ہوتی ہے اس لئے لائف او جاب کو Equal ٹائم دینا چاہیے۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے سرزنش کی۔ اس کے ذہن کے پردے پر ایک لمحہ کے لئے وہ منظر لہرا گیا جب خوبصورت آنکھوں میں شکوہ ٹھہر گیا تھا۔ واقعی وہ رات اس کا حق تھی۔ لیکن اس نے تو اس کے بعد بھی کبھی اس کی طرف التفات نظر نہیں کی تھی۔ اس کا ذہن الجھ سا گیا جسے اس نے عاطف شاہ کی طرف متوجہ ہو کر لاشعوری طور پر ہر دھیان سے اپنا دامن چھڑایا تھا۔

"اچھا عالیان! کام کی بات تو بیچ میں ہی رہ گئی۔ میری بیگم صاحبہ نے تو سخت ناراض ہو جانا ہے اگر میں بھول گیا تو۔" وہ خاصی خوشدلی سے کہہ رہے تھے۔ عالیان نے مؤدب انداز میں انہیں دیکھا۔

"بھئی اس اتوار کو گیٹ ٹو گیدر ہے ہمارے گھر میں۔ سارے نئے کپلز کو مدعو کیا گیا ہے۔ اس لئے تمہیں بطور خاص انوائیٹ کیا ہے بیگم صاحبہ نے میری طرح وہ بھی تم سے ایک ملاقات میں ہی خاصی متاثر ہوگئی ہیں۔ حالانکہ بقول ان کے کہ آپ کے ڈیپارٹمنٹ کے جتنے بھی آفیسرز ہیں ان کے مقابلے میں عالیان بہت روڈ اور اکھڑ مزاج ہے مگر جانے کیوں پھر بھی اس سے متاثر ہونے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے ینگ مین، اب آپ کا آنا ناگزیر ہے۔ وہ آپ کی وائف سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہیں۔" عاطف شاہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے وہ بھی کچھ خفت سے مسکرا دیا۔ وہ اپنے مزاج کی گرمی کو جانتا تھا مگر باوجود چاہنے کے وہ اس پہ قابو نہیں پا سکتا تھا۔

"یاد رکھنا آپ مجھے پٹوانہ دینا۔" اس کے باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے ایک بار پھر اسے یاد دہانی کروائی تھی۔

"ڈونٹ وری سر! انشاء اللہ ہم آئیں گے۔" انہیں تسلی دے کر وہ باہر آ گیا۔ ابھی وہ آفس میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ انسپکٹر عبدالجبار آ گیا۔ اس کے سیلوٹ کا سر ہلا کر جواب دیا اور اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سر وقار الدین دہشت گردی اور منشیات فروشی میں تو ملوث ہی ہے مگر ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ پاکستان کے کچھ اہم راز حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا جنہیں وہ عنقریب دشمنوں کے حوالے کرنے والا ہے۔" اس انکشاف پہ وہ چونک گیا۔

"مجھے ابھی پتا چلا تو میں آپ کے پاس یہ معلومات پہنچانے کے لئے فوراً آ گیا۔ مزید کاروائی اس لئے نہیں کی کہ پہلے آپ کے علم میں یہ بات لانا ضروری تھی۔" عبدالجبار نے وضاحت سے اپنی آمد کا سبب بیان کیا۔ انسپکٹر عبد الجبار کا شمار ان پولیس آفیسرز میں ہوتا تھا جن کی دیانتداری پہ وہ آنکھ بند کر کے اعتبار کر سکتا تھا۔ اپنی ملتان پوسٹنگ کے دوران بھی بہت سی اہم معلومات اس کے توسط سے عالیان تک پہنچی تھیں۔

"ہونہہ، اس کا مطلب ہے ہمیں اب فول پروف پلاننگ کرنا ہو گی اور پہلے والے پروگرام کو تبدیل کرنا پڑے گا۔" وہ پرسوچ انداز میں گویا ہوا۔ یہ کیس اس کی توقع سے زیادہ پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہر بار مجرم اسے ڈاج دے جاتا تھا اور وہ اتنا خطرناک تھا کہ مزید اس کا آزادانہ پھرنا ملک وقوم کے لئے خطرہ کا باعث تھا۔

"سر! تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اگلے تین چار دنوں تک اس کی لاہور میں آمد ہے۔ اس کی موجودگی کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی کیونکہ وہ پولیس کی نظر میں آ چکا ہے مگر چونکہ اس کے پاس اہم دستاویزات ہیں اس لئے اسے وہ لوگ منظر سے ختم کرنے کا رسک بھی نہیں لے سکتے۔ اسی وجہ سے اس کی سیکورٹی کا ہر ممکن انتظام کیا جائے گا۔" عبدالجبار کی معلومات کی روشنی میں اس کا ذہن تیزی سے نیکسٹ اسٹیپ کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"اوکے عبدالجبار تم نے واقعی بہت اہم انفارمیشنز اکٹھی کی ہیں۔ تمہارے جیسے لوگ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔" عبدالجبار کا چہرہ اس تعریف پہ کھل اٹھا۔ عالیان بہت کم تعریف کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کے یہ الفاظ واقعی اس کے لئے بہت بڑا انعام تھے۔

"اس دفعہ دھیان رہے کہ ہماری معلومات کسی صورت بھی لیک آؤٹ نہ ہونے پائیں۔"

"آپ فکر نہ کریں سر!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کل کی میٹنگ میں سب پلان کیا جائے گا۔" عالیان نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا اور فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب کہ عبدالجبار باہر نکل گیا۔

"مہوش تمہارے ساتھ ٹھیک تو رہتی ہے ناں۔" اماں نے ایک بار پھر متفکرانہ انداز سے اسے دیکھا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ اماں کے اندیشوں سے واقف تھی جب وہ آئی تھی وہ ایسے ہی اس کے لئے پریشان تھیں۔

"اماں آپ فکر نہ کریں پھپھو کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔ عالیان بھی بہت اچھے ہیں۔" باقی کے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ ایکٹنگ کرنے کا طریقہ نہیں تھا ناں۔ مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ زندگی میں پہلی بار اماں کے چہرے کی شادابی لوٹ کر آئی تھی۔ اگرچہ پلوشہ کا دکھ انہیں اندر سے مارے جا رہا تھا۔ مگر پھر بھی ابا کی توجہ اور نرمی نے ان کی زندگی پہ کافی اثر ڈالا تھا۔ وہ کل شام کو آئی تھی چونکہ شادی کے بعد پہلی دفعہ آئی تھی اس لئے ارادہ تھا کہ وہ کچھ دن رہ کر جائے گی۔ مگر پھپھو نے صرف ایک دن رکنے کا کہا تھا۔ بہانہ پھر بچوں کا بنایا تھا حالانکہ وہ افنان اور دعا کو اپنے ساتھ لانا چاہتی تھی۔ خود اس کا بھی تو دل

UrduPhoto.com

اداس ہو جایا کرتا تھا ان کے بنا۔ لیکن عالیان نے کہہ دیا کہ وہ اکیلی ہی جائے گی۔ افنان کو پلے گروپ میں داخل کروایا ہوا تھا۔ اس لئے تو اسکول کا مسئلہ تھا۔

''ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ افنان، دعا آپ کے ساتھ جائیں۔'' چلو جی قصہ ہی ختم کر دیا محترم نے۔ اس نے سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا، جس کے مغرورانہ نقوش میں اگر نرمی کا عنصر آ جاتا تو کتنا بھلا لگتا۔ کس قدر دکھ ہوا تھا اس کی بات پہ۔ کیا وہ اتنی غیر ذمہ دار دکھائی دیتی تھی کہ بچوں سے لاپروائی برتی اپنے میکے میں جا کر یا پھر وہ ابھی تک نا قابل بھروسہ اور نا قابل اعتبار تھی۔ شاید دوسری بات صحیح تھی اور اس سوچ نے اس کے اندر تک ویرانیاں پھیلا دی تھیں۔

''تو پھر بچوں کو ساتھ کیوں نہیں بھیجا انہوں نے؟'' ماں تھیں ناں، کیسے مطمئن ہو جاتیں اتنی آسانی سے، بیٹی کے چہرے کی زردی، آنکھوں کے نیچے پڑے سیاہ حلقے اور مصنوعی ہنسی انہیں متفکر کیے جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ رات کو سجاد خان نے بھی اسی فکر کا اظہار کیا تھا۔

''ارے اماں، آپ تو ایسے ہی پریشان ہوئے جا رہی ہیں، افنان کے اسکول کھل گئے تھے اور پھر پھپھو اداس ہو جاتیں اکیلے گھر میں، ایک دن کی تو بات تھی اس لئے میں خود بھی بچوں کو گھر ہی چھوڑ آئی۔'' انہیں پھر مطمئن کیا۔

''تم سناؤ کب اچھی خبر سنا رہی ہو۔'' پلوشہ کے آ جانے کی وجہ سے اماں کا دھیان اس کی طرف سے ہٹا تھا اس نے شکر ادا کیا۔

''کیا مطلب کون سی خبر۔'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ارے میری بہنا، شادی کے بعد تو صرف ایک ہی اچھی خبر رہ جاتی ہے سنانے کو۔'' روشی کی معنی خیزی نے اس کو سرخ کر دیا تو دوسری طرف مزید اوسان خطا ہو گئے۔ اماں ابھی ایک نئی فکر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''جب اللہ کو منظور ہو گا۔'' وہ بمشکل کہہ پائی۔ کیا زندگی تھی ان دونوں بہنوں کی، پلوشہ کو اماں کے پاس آئے تیسرا ماہ تھا مگر کاشف کی ہٹ دھرمی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ احسان کر کے بچے اس کے ساتھ بھیج دیئے تھے جن کی خیر خیریت کے لئے کبھی کبھار فون کر لیتا تھا۔ ورنہ پلوشہ کا اجاڑ اور ویران حلیہ لاکھ قہقہوں کی تہہ میں چھپانے کی کوشش کے باوجود سارا بھید کھول دیتا تھا اور خود اپنے آپ کو وشی آپا کے مقابلے میں خاصا منہ پھٹ اور دلیر سمجھتی تھی، زندگی کی اس بساط پہ مسلسل شکست کھائی جا رہی تھی۔ اماں کو اچانک کچھ یاد آیا تو اس کو بتانے لگی تھیں۔

''کرن کی شادی کر دی ہے تمہاری خالہ نے۔''

''جی مجھے درشہوار نے بتایا تھا۔'' دھیمے سے کہہ کر وہ سر جھکا گئی۔ اپنے زخموں پر مرہم لگانا وہ سیکھ چکی تھی اور جو نصیب میں نہ ہو اسے کسی کوشش سے بھی اپنا نہیں بنایا جا سکتا گزرتے وقت نے اتنا تو سمجھا دیا تھا۔ پھر اب دل اور ذہن میں عجیب سی کشمکش چل پڑی تھی آج کل۔ کیا نکاح کے دو بول اتنے طاقتور ہوتے ہیں یا پھر وہ لاپروا شخص ویسے ہی اپنے اندر اتنی کشش رکھتا ہے جو اپنی بے نیازی اور تند خوئی کے باوجود دل میں جگہ بنا لیتا ہے۔ وہ کچھ حیران پریشان تھی اپنی کیفیت سے اور خود سے خفا بھی تھی۔

''تمہاری خالہ چاہتی ہیں کہ۔'' اماں کچھ جھجک سی گئیں۔ اس نے سر اٹھا کر اماں کو اور پھر نظریں چرائی پلوشہ کو دیکھا جو خوامخواہ زین کی نیکر اور شرٹ کو درست کر رہی تھی۔

''کیا چاہتی ہیں اماں؟''

''وہ چاہتی ہیں کہ آذر اور درشہوار۔'' اماں پھر چپ کر گئیں مگر وہ اب سمجھ چکی تھی اس لئے گہرا سانس لے کر اماں کی طرف دیکھا۔

''تو پھر آپ نے کیا کہا؟'' اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ پلوشہ نے زین کو گود سے اتار کر بغور اس کا جائزہ لیا۔ جس کے چہرے پہ کسی ملال، کرب یا زود رنج کی کیفیت نہیں تھی۔

''میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آذر سے تمہاری خالہ نے پوچھا تھا اس نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔ تمہارے ابا بھی بہت خوش ہیں اس رشتے سے۔''

''آپ نے درشہوار سے پوچھا؟'' اس نے ایک نظر دھواں دھواں چہرے کے ساتھ کچن کے دروازے سے پلٹتی درشہوار کو دیکھا اور پھر اماں سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''میرا خیال ہے پہلے اس سے پوچھ لیں پھر فیصلہ کیجئے گا۔''

اس کا ردعمل اماں کو پرسکون کر گیا تھا ورنہ وہ تو یہی سوچ کر پریشان تھیں کہ کیسے اس سے بات کرے گی۔

''تم ہو آج کی رات، اس لئے تم اور وشی اس کا ارادہ جان لو۔'' انہوں نے یہ ذمہ داری اس کے سر پہ ڈالی تو وہ سر ہلا کر وہاں سے اٹھ آئی۔

''میں راضی نہیں ہوں۔ آپی پلیز مجھ پہ یہ ظلم نہیں کیجئے گا۔'' رات وہ اس کی گود میں سر رکھ کر رو دی تھی۔ گویا جو اس نے محسوس کیا تھا وہ صحیح تھا۔

''کیوں؟'' حذیفہ کو تھپکتے ہوئے پلوشہ نے پوچھا۔

''بس میرا دل راضی نہیں ہوتا پلیز مجھے مجبور مت کریں۔'' اور وہ جانتی تھی کہ درشہوار کا دل کیوں راضی نہیں ہوتا۔ مرد چاہے کتنا ہی اعلیٰ ظرف کیوں نہ ہو اپنے ٹھکرائے جانے کو کبھی نہیں بھولتا۔ وہ آذر کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ کبھی اسے پچھلا طعنہ نہیں دیتا مگر کبھی کبھی فطرت بھی تو ہر اچھائی پہ حاوی ہو جایا کرتی ہے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی بہن کو مجبور کرکے بڑی بہنوں جیسی زندگی گزارنے پہ مجبور کرے۔ اس لئے دوسری صبح واپس آنے سے پہلے اماں کو کہہ آئی کہ وہ خالہ کو انکار کر کے، ابا کی بات مان لیں اور سلطان چچا کو ہاں کہلوا دیں۔ سلطان چچا زندگی کے اتنے سالوں کے بعد وطن کی محبت اور مٹی کی کشش سے مجبور ہو کر لوٹ آئے تھے۔ ابھی وہ لاہور نہیں آئے تھے۔ اسلام آباد میں ہی تھے۔ بھائی اور بہن سے بہت شرمندہ تھے۔ اس لئے ابا خود ہی جا کر ان سے مل آئے تھے۔ جہاں پہ چچا نے ان سے معافی مانگی تھی اور اتنے سالوں کی دوری کو مضبوط رشتہ میں تبدیل کرنے کی درخواست کی تھی۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا میر خان، جس کے مجبور کرنے پہ وہ پاکستان آئے تھے۔ ان کی بیگم چار سال پہلے فوت ہو گئی تھیں مگر بیٹے کی تربیت اور سلجھا ہوا انداز ظاہر کرتا تھا کہ وہ کیسے ہاتھوں میں پرورش پا کر جوان ہوا تھا۔ مذہب اور وطن سے لگاؤ اس قدر تھا کہ باپ کو بھی پلٹنے پہ مجبور کر دیا۔ ابا خود سے اب کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ پہلے ہی اماں کو بہت دکھ دے چکے تھے، اس لئے سارے اختیارات ان کے سپرد کر دیئے تھے۔ مگر درشہوار کے انکار نے ساری مشکل آسان کر دی تھی۔ اماں کو بھی کوئی خاص دکھ نہیں ہوا تھا۔ اس انکار سے کیونکہ وہ خود بھی ان اندیشوں کا شکار تھیں جن کا اظہار زرتاشہ اور درشہوار نے کیا تھا۔ اس لئے ابا کو خوشخبری سنا کر وہ واپس آ گئی۔ آج آذر کے متعلق بات کرتے ہوئے نہ تو اس کی زبان لڑکھڑائی تھی اور نہ ہی دل دھڑکا تھا۔ تھی ناں حیرت کی بات اور وہ خاصی متحیر تھی اپنی اس کیفیت پہ۔

UrduPhoto.com

''کچھ کہنا ہے آپ کو۔'' وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ آئینے میں اس کے ابھرتے ہوئے عکس کو کافی دیر سے مضطرب دیکھ رہا تھا اس لئے بالآخر اسے خود یہ پوچھنا پڑا۔

''جی افنان کے سکول میں پیرنٹس میٹنگ ہے آج، میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی کچھ وقت نکال کر اگر آ جائیں تو۔'' جلدی سے اپنی بات مکمل کی، جیسے یہ ڈر ہو کہ وہ اس کی بات سنے بغیر چلا جائے گا وہ ''کیوں'' کہتا ہوا رک گیا۔ نجانے کس احساس کے تحت اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کتنے بجے جانا ہے؟''

''گیارہ بجے۔''

''ٹھیک ہے آپ تیار رہیے گا میں آ جاؤں گا۔'' وہ خاموشی سے سر ہلا کر باہر نکل گئی۔ وہ بھی کیپ اٹھا کر اس کے پیچھے آ گیا۔

''عالیان کیا آج ناشتہ نہیں کرنا تھا تمہیں۔'' سامنے ہی صوفے پہ مہوش بیگم بیٹھی ہوئیں عجیب چبھتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''جی مما! میں آ رہا تھا۔'' سادگی سے کہہ کر وہ ٹیبل پہ آ گیا تھا وہ پھپھو کے طنز کو بمشکل پیتے ہوئے اس کے سامنے برتن رکھنے لگی۔ اول تو وہ اس وقت تک گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں جب تک عالیان گھر پہ ہوتا تھا اس کی واپسی اکثر رات کو دیر سے ہوتی تھی اس لئے اس کے آنے سے پہلے وہ ہمیشہ گھر پہ موجود ہوتی تھیں اور اگر بھی زرتاشہ عالیان سے کوئی بات کہنے کے لئے اس کے پاس کھڑی بھی ہو جاتی تو مہوش کے جاہل عورتوں والے طنز اور طعنے اس کا خون کھولا کر رکھ دیتے تھے۔ وہ چاہتی تھیں کہ عالیان صرف ان کو دیکھے، انہیں سنے، اسی لئے تو بچوں سے بھی اسے اتنا لاپرواہ کیا ہوا تھا اسے، مگر وہ مزید ان ڈراموں کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اس کی جائز بیوی تھی مگر اپنے شوہر سے بات کرنے کے لئے اسے گھنٹوں پہلے سوچنا پڑتا تھا۔

''افنان دودھ ختم کریں اپنا۔'' وہ کافی دیر سے ماں بیٹے کی بحث سن رہا تھا۔ افنان کھانے پینے کا ہمیشہ سے چور رہا تھا۔ سدرہ بھی جانے کتنی دقتوں سے اس کے منہ میں نوالے ٹھونسا کرتی تھی۔ اب بھی وہ دودھ کا گلاس سامنے رکھے مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا اور وہ منتوں سے اس کو پلانے کی کوشش میں تھی۔

''افنان سنا نہیں۔'' چائے کا کپ رکھتے ہوئے اس نے ایک نظر پھر اس پہ ڈالی۔ اس کی بارعب پکار پہ منہ بسورتے ہوئے وہ گلاس کو منہ سے لگا گیا۔ تو اس نے بھی جیسے سکھ کا سانس لیا مگر افنان کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو اسے بے چین کر گئے۔ باپ کی ڈانٹ پہ وہ یونہی خاموش آنسوؤں اور گھٹی سسکیوں سے رویا کرتا تھا۔ عالیان دوسری نظر ڈالے بنا ماں کو خدا حافظ کہنے کے لئے اٹھ کر جا چکا تھا۔ زرتاشہ نے اٹھ کر افنان کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

''ابھی ہم کارٹون دیکھیں گے ٹام اینڈ جیری پھر اس کے بعد کلرنگ ہوگی اور افنان کے فیورٹ نوڈلز بھی مما بنائیں گی آج۔'' اسے لالچ دے کر وہ بہلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

''استول (اسکول)؟''

''جی آج اسکول بھی جانا ہے میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ، بابا جانی بھی آج جائیں گے آپ کے ساتھ۔''

اس کے پھولے گالوں کو چوم کر تسلی دی اور پھر دعا کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس کی ٹانگ کو پکڑے منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اٹھ گیا میرا بیٹا!'' جھک کر اس کے ماتھے پہ بھرپور پیار کیا تو وہ کھلکھلا دی۔ مما کے کمرے سے نکلتے عالیان نے یہ سب ایک لمحہ کے لئے رک کر دیکھا تھا۔ پھر باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''سر! آج آپ کو افنان کے اسکول جانا ہے۔'' اس کو آفس میں بھی دو دفعہ یاد دہانی کروا دی گئی تھی، مگر وہ ایک کیس میں ایسا الجھا کہ باوجود کوشش کے شام سے پہلے فارغ نہیں ہو سکا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو تب بھی ذہن میں صبح کا خیال نہیں تھا۔

''چائے لے لیں۔'' فریش ہو کر وہ صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھا جب اس نے دھیمے سے پکارا۔ عالیان نے پوزیشن بدلے بغیر آنکھیں کھولیں تو پہلی نظر اس کی متورم، سرخ آنکھوں پر پڑی۔

''مما کہاں ہیں؟''

''ان کو آج کسی فنکشن میں شرکت کرنا تھی اس لئے لیٹ نائٹ آئیں گی۔''

اسے اطلاع دے کر وہ مڑی تھی جب اس نے پکارا۔

''کیا ہوا ہے؟'' اپنی اس غیر ارادی پکار اور سوال پہ وہ خود بھی حیران تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ پھر پلٹنے کو تھی۔

''زرتاشہ! آپ فی الحال میری ذمہ داری ہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ کو پوچھنے کا اختیار ہے میرے پاس۔'' وہ کچھ سخت آواز میں بولا۔ البتہ انداز نشست ویسے ہی پرسکون تھا۔ چائے پیتے ہوئے وہ اسے مکمل طور پہ اپنی نگاہوں میں فوکس کیے ہوا تھا۔

''حیرت ہے، آپ کو بھی احساس ہوا کہ ''فی الحال'' ہی سہی، میں بھی آپ کی ذمہ داری ہوں۔'' یہ پہلا طنزیہ فقرہ تھا جو وہ اس کے منہ سے شادی کے بعد سن رہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب کچھ نہیں ہے مسٹر عالیان خان، جب میں اس گھر میں ایک نئے بندھن میں بندھ کر داخل ہوئی تھی تو اپنی تمام توقعات اور امیدیں دہلیز پہ ہی چھوڑ کر آ گئی تھی۔ اس لئے کسی کا بھی کوئی رویہ مجھ پہ کوئی اثر نہیں ڈال سکا۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہاں پہ جو پسندیدگی کا درجہ پاتی ہیں۔ انہیں بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینا پڑتی تھی تو میری کیا حیثیت تھی جو صرف بچوں کی تربیت اور دیکھ بھال کے لئے لائی گئی تھی۔'' وہ ایک لمحہ کے لئے رکی عالیان خاصا متحیر سا اسے سن رہا تھا وہ کیا کہنا چاہتی تھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ البتہ اس کی تلخ سچائیوں سے اس کا خون کھولنا شروع ہو گیا تھا۔ اپنی مٹھیوں کو بھینچے وہ ضبط کرنے کی کوشش میں تھا۔

''اپنی ہاؤ میں آپ سے اپنی مظلومیت بیان کر کے رحم کی بھیک نہیں مانگ رہی۔ مجھے تو صرف ان معصوموں کے لئے انصاف چاہیے۔ ہر موقع پہ، ہر جگہ پہ وہ اگنور ہو رہے ہیں مگر یہاں کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ انہوں نے چہروں کے بدلتے زاویوں سے ابھی سے رویوں کو اخذ کرنا شروع کر دیا ہے۔ محبت اور پیار کی گرمی کو وہ ہر گود میں تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ معمول سے اونچی آواز میں ان سے بات کی جائے تو وہ سہم کر گھنٹوں تک ایک ہی جگہ پہ بیٹھے رہتے ہیں۔ ہجوم سے گھبراتے ہیں۔ کس لئے؟ اس لئے ناں کہ انہیں صحیح پیار اور اعتماد نہیں عطا کیا گیا۔ اگر ماں کو قدرت نے ان سے لے لیا تھا تو باپ تو ان کے پاس تھا۔''

آج صبح عالیان کے جانے کے بعد جب اس نے افنان کے اسکول جانے کا ذکر پھپھو سے کیا تو جواباً انہوں نے اسے وہ کچھ سنایا اور ایسے بہتان لگائے تھے کہ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا سب، یہ پھپھو کا کون سا روپ تھا جو اپنے بھائی کی اولاد کو نیچ، بدکردار اور جانے کن القابات سے نواز رہی تھی۔ انہیں غصہ صرف عالیان کے کمرے میں زرتاشہ کی موجودگی کا تھا۔ اتنی معمولی بات کو ایشو بنا کر انہوں نے ملازموں

کے سامنے ہی وہ ہنگامہ برپا کیا اور اس نے انہیں خاموش کرانا چاہا تو وہ جیسے جنونی ہو گئیں۔ ساری عمر اس کی یہاں اپنے شوہر کی توجہ کی منتظر اپنی جوانی برباد کر گئی تھیں۔ کس وجہ سے صرف پھپھو کی وجہ سے۔ سلطان چچا کس لئے وطن واپس نہیں آئے تھے، اسی بہن کی وجہ سے بڑے بھائی کا برباد ہوتا گھر ان کے لئے عبرت کا نمونہ تھا تو وہ پھر کس طرح یہاں آ کر اپنی جنت کو آگ لگا دیتے اور اب وہ اسے بھی اس کے گھر سے گھر بدر کرنا چاہتی تھیں کیوں؟ وہ باوجود چاہنے کے نہیں جان پا رہی تھی۔ دادی کو چیختے چلاتے اور مما کو روتے ہوئے دیکھ کر افنان اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے لگا تھا۔ دعا بھی سہمی نظروں سے دور بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھی۔

''مما!'' جب افنان نے روتے ہوئے اسے پکارا تو وہ ہوش میں آ گئی۔ پھپھو کو بکتا جھکتا چھوڑ کر افنان کو گود میں اٹھائے وہ کمرے میں آ گئی اسے وہاں چھوڑ کر دعا کو بھی اٹھا کر اندر لے آئی اور ڈور لاک کر لیا۔ پھر جو بچوں کو گود میں لے کر وہ روئی تو لگ رہا تھا کہ دل پھٹ جائے گا۔ اتنی بے وقعتی، اس قدر کم مایہ حیثیت تھی۔ اس گھر میں کہ جب دل چاہا اسے اتنا گرا دیا جائے اور وہ سب سہتی جا رہی تھی اور اب بیٹا اٹھا تو ذمہ داری کی باتیں شروع کر دیں۔ جب دل چاہا اس سے بات کر لی اور جب موڈ نہ ہوا تو دھتکار کر دکھ دیا۔

''تو باپ نے اپنی کون سی ذمہ داری سے رو گردانی کی ہے؟'' اسے غصہ آ گیا۔

''ویری گڈ..... اگر بچوں کو کپڑے کھلونے دلا کر آپ اپنی ذمہ داری اور فرائض پورے کر لیتے ہیں تو واقعی آپ دنیا کے بہترین باپ ہیں۔'' اس کا استہزائیہ لہجہ اسے مسلسل طیش دلا رہا تھا۔ ایک تو آج سارا دن اتنا مصروف گزرا کہ ایک پل کے لئے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی

تھی۔ اوپر سے یہ محترمہ بلاوجہ الجھائے جا رہی تھیں۔

''اب کیا ہوا ہے؟'' وہ بیزاریت سے اسے دیکھنے لگا۔

''کچھ نہیں۔'' زرتاشہ نے سر جھٹکا جب اسے اپنی کوتاہی کا احساس نہیں ہے تو وہ کیوں اپنا سر کھپاتی رہے۔ اسی وقت افنان دروازہ کھول کر اندر آ گیا اور اسے نظر انداز کر کے زرتاشہ کی طرف بڑھا اور اسے دیکھتے ہی عالیان کو آج صبح کی ''یاددہانی'' یاد آ گئی۔

''اوہ یہ وجہ تھی خراب موڈ کی۔'' اس کے پھولے ہوئے چہرے پہ تفصیلی نگاہ ڈالی۔ وہ افنان کے پاس جھکی جانے اس کو سرگوشیاں کو کیسے سمجھ رہی تھی کہ ہونٹ بے ساختہ مسکرا رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے والی تلخ، کڑوے تاثرات کی جگہ بے پناہ ملائمت اور نرمی سمٹ آئی تھی۔ اس کے چہرے پہ۔ عالیان کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کیسے پل میں رنگ بدل چکی تھی۔

''افنان ادھر آیئے۔'' وہ شاذونادر ہی اسے اپنے پاس بلاتا تھا اس لئے وہ کچھ چونک کر اسے اور پھر زرتاشہ کو دیکھنے لگا۔

''جایئے بیٹا بابا جانی کی بات سنتے ہیں۔'' اس نے بھی نرمی سے حوصلہ دیا اور خود پلٹ کر عالیان کے کپڑے سمیٹنے لگی تھی۔ ہزار ہا خفگی اور بے دمہری کے باوجود وہ اس کے تمام کام خود کرتی تھی۔

''بابا، دادو نے مما کو ڈانٹا تھا۔'' جانے عالیان نے کیا پوچھا کہ وہ اپنی مخصوص توتلی زبان میں اسے بتا رہا تھا۔ شوز ریک میں رکھ کر وہ پلٹی۔

''افنان آپ باہر جائیں۔ بری بات ہے کبھی شکایت نہیں لگایا کرتے۔'' اس سے پہلے افنان کو اور عالیان کو دیکھا اور باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ افنان پہلے ہی جا چکا تھا۔

''آپ نے آج پھر مما سے بدتمیزی کی

تھی۔'' وہ سنجیدگی سے دریافت کرتا اسے سخت زہر لگا اس وقت۔

''پھر سے کیا مراد ہے آپ کی؟'' اور رہی دوسری بات تو بدتمیزی میری تربیت کا حصہ نہیں ہے۔

''جو پوچھ رہا ہوں اس کا صحیح طرح سے جواب نہیں دے سکتیں۔'' وہ کچھ جھنجھلاتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ایک دن پہلے بھی مما کو آپ نے بہت ہرٹ کیا تھا۔ میں آپ سے ایسے بی ہیوز کو ایکسپیکٹ نہیں کرتا تھا۔ مما کی جو میری زندگی میں حیثیت ہے میرے خیال میں مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' گویا پھپھو کا اس دن خاموش ہونا بلا جواز نہیں تھا۔ خوب کان بھرے گئے تھے بیٹے کے۔ وہ مزید متنفر ہو گئی ان سے، ساری عمر پڑھائی کالج، یونیورسٹی میں گزار دی۔ پھر اماں جیسی سادہ لوح عورت نے بھی کبھی ایسی چالاکیاں نہ خود دکھائیں اور نہ ہی ان کو سکھا سکیں تو وہ بھلا کیسے پھپھو کے سازشوں کو سمجھ سکتی۔

''میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی نہ آج اور نہ ہی اس دن۔'' اس نے اپنا مقدمہ خود لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

''بات صرف اتنی ہوئی ہے عالیان خان کو اپنے کردار پہ دھبہ کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ میری انگیجمنٹ ہوئی۔ میں مانتی ہوں بہت عرصہ تک آذر میری سوچوں پہ حاوی رہا لیکن شادی کے بعد وہ میرے لئے بالکل اجنبی اور میری سوچوں تک کے لئے غیر محرم ہو گیا تھا۔ اب جو اگر کوئی اٹھ کر مجھ پہ اس کے ساتھ ملنے یا تعلقات بڑھانے کے متعلق الزمات لگائے گا تو کیا اسے سہنا اور وہ بھی خاموش رہ کر مناسب ہو گا۔ اگر میں گھر سے باہر جاتی ہوں تو کیا صرف وجہ آذر ہی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اس ملک میں نہیں ہے اور اگر وہ ہوتا بھی تو تب بھی مجھے اس کی موجودگی

سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس کا گلا رندھ گیا۔ وہ بازو سینے پہ لپیٹے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے کسی کو صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے نہ آپ کو اور نہ ہی آپ کی مما کو، سمجھے آپ۔'' وہ ایک دم سے چلائی۔ عالیان کو سارا معاملہ سمجھ آ گیا۔ مما کو ایسے بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس افسوس سا ہوا۔

''کہنے کو وہ میری پھپھو ہیں مگر ان کی سوچ اتنی گھٹیا ہے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''آئی ول ٹاک ٹو ہر پلیز کول ڈاؤن۔'' خلاف عادت حلاوت آمیز لہجہ میں تسلی دی۔

''کیا بات کریں گے آپ کیا زبان روک سکتے ہیں آپ اپنی مما کی، جو اپنی تسکین کے لئے کسی کو بھی ڈی گریڈ کرنے میں لمحہ نہیں لگاتیں۔'' وہ پھر تلخ ہوئی۔

''کہا ہے ناں میں سمجھاؤں گا تو پھر بحث کا فائدہ۔'' اس کا غصہ عود آیا۔

''مجھے صرف یہ بتا دیں کہ اس گھر میں میرا کیا مقام ہے؟ سدرہ کے بعد اگر مجھے بھی پھپھو ایسے ہی مارنا چاہتی ہیں تو میں ابھی سے ہتھیار ڈال دیتی ہوں ان کے سامنے ایک بات کھول کر سن لیں وہ کسی بھی صورت اپنے علاوہ کسی دوسری عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتیں۔ اس گھر میں بہت سطحی اور تنگ ذہنیت کی مالک ہیں آپ کی مما۔'' باقی کے الفاظ منہ میں ہی ٹھٹھر کر رہ گئے۔ عالیان کا اٹھا ہوا ہاتھ اس کے اعصاب بھی سن کر رہ گیا تھا۔

''آئندہ مما کے لئے ایسے الفاظ استعمال کیے تو زبان کھینچ کر رکھ دوں گا۔'' قہر برستا لہجہ، آگ اگلتی آنکھوں سمیت اس پر جھکا وہ جو تھپڑ سے بیڈ پہ جا گری تھی۔ منجمد آنسوؤں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے جب سے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

گھر آیا ہوں۔" سر جھٹک کر مڑا۔

"اپنی حدود کا خیال رکھنا ورنہ اگلی بار سب کچھ بھلا کر رکھ دوں گا۔" دھمکی آمیز کرخت انداز لئے وہ اس سے کتنا ظالم جابر لگ رہا تھا۔ اسے کچھ دیر تک سخت نظروں سے گھورنے کے بعد باہر نکل گیا۔ جب کہ وہ بلینک دماغ کے ساتھ ایک ہی جگہ کو دیکھے جا رہی تھی۔ آج اسے اس کی اوقات یاد دلا دی گئی تھی۔ نجانے کس زعم میں وہ اس شخص کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی جس میں رحم نام کی چیز کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جو جیتا بھی ماں کی خاطر تھا اور مرتا بھی اس کے لئے۔ جس کے لئے بیوی محض اس کے بچوں کی آیا گیری کے لئے تھی جو اپنی پہلی بیوی کو اس گھر میں جائز مقام نہ دلا سکا اس کے لئے وہ کیا اسٹینڈ لیتا۔ آنکھوں میں بے تحاشہ پانی جمع ہو گیا جسے وہ باہر نکلنے سے روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو گئی۔ مگر دل پہ لگا زخم روح پر لگے چرکے اتنے ناقابل برداشت تھے کہ اس جیسی کمزور دل لڑکی مزید بند نہ باندھ سکی۔

"مما!" نرم معصوم آواز پہ اس نے بمشکل دکھتے سر سمیت سوجی آنکھیں کھولیں۔

"مما نا ہوا (کیا ہوا)؟" وہ تشویش سے اس پہ جھکا پوچھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔

"کچھ نہیں بیٹا!" اسے اپنا جسم بے پناہ ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ حلق میں پیاس کی شدت سے کانٹے بڑھ گئے تھے۔

"آپ اسکول کے لئے تیار نہیں ہوئے اور دعا کہاں ہے؟"

"مما کیسے چینج کروں۔" مخصوص لہجہ میں اپنی پریشانی بیان کی تو وہ کافی دقت سے کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھی مگر اس حرکت میں ہی ساری توانائی ختم ہو گئی تھی۔

"وہ وارڈ روب کھولیں اور اس میں اپنا یونیفارم نکال کر لائیں۔" اشارہ سے اسے بتا کر بیڈ کراؤن سے اپنی پشت لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ عالیان یا پھپھو کے متعلق پوچھنے کا جی بھی نہیں چاہ رہا تھا اس وقت۔

"دادو اور بابا نے ناشتہ کروا دیا ہے مما اور برش بھی بابا سے کر لیا تھا۔" وہ خاصی ذمہ داری سے کام کر رہا تھا۔ اس کا ناشتہ کے سوال پہ وہ اسے بتانے لگا۔

"مما یہ کیسے لاؤں۔" یونیفارم چونکہ ہینگر میں لٹک رہا تھا اس لئے اس کی پہنچ سے دور تھا۔ البتہ شورز اور سوکس وہ لا کر اسے دے چکا تھا۔

"جائیں صغراں باجی کو بلا کر لائیں اور دعا کہاں ہے۔"

"دعا تو رو رہی تھی مما۔" اسے بتا کر وہ باہر چل دیا۔ اس کے اندر تک تھکن اترنے لگی تھی۔ ہمت کر کے اٹھنا چاہا مگر چکرا کر وہیں بیڈ پہ ہی بیٹھ گئی۔

"جی باجی آپ نے بلایا ہے اور یہ آپ کا چہرہ اتنا لال کیوں ہو رہا ہے۔" صغراں پنجابی مکس لہجہ میں بولتی ہوئی اندر آئی مگر اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"کچھ نہیں ہوا، تم افنان کو چینج کروا دو اور دعا کو میرے پاس لے کر آؤ۔" اتنی بیماری میں بھی اسے بچوں کی پرواہ تھی۔ جانے کیسی کشش تھی ان دونوں میں کہ روز بروز وہ اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواتے جا رہے تھے۔

"دعا تو جی فیڈر پی کر سو گئی ہے۔ عالیان صاحب کے کمرے میں ہے۔" افنان کے بالوں میں برش کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

"مما اللہ حافظ۔" سکول بیگ کندھے پر لٹکا کر اس نے اس کے ماتھے پہ پیار کیا۔ جواباً وہ محض ہولے سے مسکرا سکی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"صغراں مجھے ایک گلاس پانی دے جانا اور پلیز دعا کا خیال رکھنا آج مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" باہر نکلتی صغراں کو ہدایت کی وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"ڈاکٹر کے پاس چلے جانا تھا۔ اگر بخار زیادہ ہے تو۔" پھپھو تھوڑی دیر کے بعد لٹھ مار انداز میں اس سے کہہ رہی تھیں۔ اس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اس لئے یونہی بے زاری سے آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ انہوں نے خاصے تیکھے تیوروں سے اس کا یہ انداز دیکھا اور باہر نکل گئیں۔ اس نے پانی کے گلاس کے ساتھ ایک ٹیبلٹ لی اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ جلد ہی نیند میں گم ہو گئی۔

"مما میں شاید رات نہ آسکوں۔" ناشتے کے ٹیبل پہ وہ تین دن کے بعد آئی تھی وہ اس پہ ایک سرسری نظر ڈال کر دوبارہ اخبار میں گم ہو چکا تھا۔ نہ کوئی خیریت پوچھی نہ ہی ایکسکیوز جیسے الفاظ شاید اس کی ڈکشنری میں ہی نہیں تھے۔ اٹھتے ہوئے ماں کو اطلاع دی اور خدا حافظ کہہ کر باہر کی طرف چل دیا۔ وہ کچھ مضطرب سی اٹھ کر اندر آ گئی۔ جانے کب اس نے توقعات باندھنا شروع کر دی تھیں اس سنگدل شخص سے، حالانکہ وہ اچھی طرح خود کو اپنی حیثیت باور کروا کر اس گھر میں آئی تھی۔ اسے تو اس شخص سے کوئی انسیت نہیں تھی۔ وہ تو اس کی دعاؤں کا حصہ نہیں تھا۔ لیکن اب ہر اٹھا ہاتھ دعاؤں کے آغاز میں اللہ کے بعد اس کے ساتھ کی چاہ کرتا تھا۔ وہ کیسے خود کو سنبھالے، نڈھال سی ایک طرف بیٹھی تھی کہ صغراں نے اس کے فون کی اطلاع دی۔ در شہوار کا فون تھا۔

"آپی آئی کانٹ بلیو اللہ نے کتنے معجزے دکھا دیئے ہیں ان چند ماہ میں۔" وہ بڑی خوش لگ رہی تھی۔

"ابا پہلے ہماری طرف لوٹ آئے پھر اب کاشف بھائی بھی بچوں کی محبت انہیں اپنی طرف کھینچ لائی۔"

"وہ کیسے؟" اسے بھی بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔

"ابھی آفس جانے سے پہلے آئے تھے۔ کافی دیر تک ابا سے معافی مانگتے رہے۔ پھر وشی آپا سے بھی معافی مانگی۔ ابا بتا رہے تھے کہ ان کے آفس میں ایک کافی اچھے درویش سے شخص آئے ہیں۔ پشاور سے ٹرانسفر ہوئی ہے ان کی۔ کاشف بھائی آج کل ان کے ساتھ بہت اٹھتے بیٹھتے رہے ہیں۔ بہت اچھی باتیں کرتے ہیں عبد المتین صاحب۔ جانے اب ان کی صحبت کا اثر ہوا ہے یا پھر اللہ نے واقعی ان کے دل میں ہدایت پیدا کر دی ہے۔ بہرحال مجھے بہت خوشی ہوئی اور ہاں انہوں نے اب مکان سے حصہ لے کر قسطوں پہ چھوٹا سا فلیٹ بھی لے لیا ہے وہیں لے کر گئے ہیں وہ وشی آپا کو اللہ انہیں بہت سی خوشیاں دے۔"

"آمین۔"

اس نے صدق دل سے کہا۔ پھر دو چار ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

"شکر ہے تیرا مولا۔" وہ کتنی مایوس ہو جاتی تھی ہر بار اور ہر دفعہ وہ رب اسے ایسے خوشیاں دیتا تھا کہ کتنی دیر تک وہ اپنی مایوسی پہ شرمندہ رہتی تھی اللہ اپنے بندے کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ یہ تو ہم ہی ناشکرے انسان ہیں جو ذرا سی تکلیف پہ چلا کر واویلا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اپنے رب سے شکوے کرنے لگتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ جس ذات نے اتنے پیار سے ہمیں بنایا ہے وہ جو ہمیں ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے وہ کیسے ہمیں ہماری برداشت سے زیادہ آزمائے گا۔ وہ ہمارے لئے سب سے بہتر کرتا ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں کوئی نہیں چاہ سکتا۔ تو کیا ہوا جو زندگی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کی یہ چھوٹی چھوٹی آزمائشیں دے کر وہ ہمارے ضبط کو آزماتا ہے۔ بدلے میں وہ دیتا بھی تو کتنا کچھ ہے۔ زرتاشہ نے پل میں اپنی مایوسی کو ختم ہوتا محسوس کیا۔ ہم بہت بار منفی سوچوں سے اپنے راستوں کو دشوار کر لیتے ہیں۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی حالات کو اپنے تابع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور وہ بھی تو جانتے بوجھتے اس گھر اور اس کے مکینوں سے توقعات وابستہ کیے ہوئے تھی۔ اب ان خوش فہمیوں سے خود کو نکالنا تھا جو آکٹوپس کی طرح اسے جکڑے اسے سراب راستوں پہ دوڑائے جا رہی تھیں۔ ایک گہری سانس لے کر دعا کے رونے پہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

"بہت اونچے جا رہے ہو ایس پی عالیان خان۔" سیل فون پر آتے نامعلوم نمبر کو پک کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کسی نے کہا۔ دوسری طرف کون ہو سکتا تھا وہ جان گیا تھا اس لئے محض ہونٹ بھینچے سن رہا تھا۔ رات اس نے ایک ہوٹل پر ریڈ کر کے فحاشی کے ایک بہت بڑے اڈے کو بند کرایا تھا۔ جس کے نتیجے میں اسے بہت سے ستائشی فقروں کے ساتھ مسلسل تنقید کا بھی سامنا کرنا تھا۔ وہ اس بات سے باخبر تھا اس لئے آتے ہی اس نے اپنا سیل فون بند کر دیا تھا اور ملازموں سے بھی کہہ دیا تھا کہ فی الحال کوئی فون کال اس کے لئے نہ ریسو کی جائے۔ شام کو سو کر اٹھا تو سیل فون آن کرتے ہی یہ کال آ گئی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اتنے بڑے پیمانے پہ لڑکیوں اور جوان لڑکوں کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہاتھ کون سے تھے۔ وہ تو وہاں پہ موجود جوان نسل کو شرمناک حالتوں میں دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا۔ کیا اس لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا؟ کیا اس لئے ہمارے بزرگوں نے اپنے ارمانوں، خوابوں کو قربان کیا تھا کہ ان کے بعد میں آنے والی نسل اپنی نفسانی خواہشات کی مکروہ تکمیل کے لئے غیر لوگوں کی تہذیب کو شعار بنا لیں اور ان کی پشت پناہی کرنے والے اور کوئی نہیں، اسی وطن کے اسی مذہب کے لوگ ہیں۔ وہ مذہب جس نے پاکیزگی کا درس دیا۔ اس نبی کی امت سے تعلق رکھتے ہیں جو خود بھی شرم و حیا کے پیکر تھے۔ جنہوں نے پہلی غیر ارادی نظر کے بعد دوسری نظر کو گناہ قرار دیا۔ کیا ہماری تعلیمات جو ہمیں ہمارے مذہب نے، ہمارے پیارے نبی نے دی ہیں ان میں نعوذ باللہ ایسی گنجائش ہے۔ کیسے حساب دیں گے ہم اپنے اعمال کا اس دن جب جسم کا ہر عضو ہمارے ہر عمل کی گواہی دے گا؟ وہ کانپ کر رہ گیا تھا۔ اپنے اندر اس نے بے پناہ غصہ اور نفرت کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔ اسی لئے اس نے کسی بھی قسم کے "بڑوں" کے فون نہ سننے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ کسی بھی دباؤ میں آئے بنا اس کیس کو ہینڈل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اسی وقت ایک ایک کو گولی سے اڑا دیتا۔

"کیا ہو گیا ایس پی صاحب! ہم تعریف کر رہے ہیں آپ ہیں کہ کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہے۔" عالیان کا دل چاہا کہ وہ فون میں سے کھینچ کر وقار الدین کے چمچے کا منہ توڑ کر رکھ دے۔ گویا اس کا شک صحیح نکلا تھا کہ وقار الدین اس کام میں بھی انوالو تھا۔

"خیر میں نے تو اس لئے فون کیا تھا کہ سنا ہے آپ کے بھائی آپ سے علیحدہ رہتے ہیں اور آپ ان سے ماں کے بعد سب سے زیادہ اس دنیا میں محبت کرتے ہیں۔" لہجہ خاصا معنی خیز تھا۔

"تو پھر۔" اس نے خاصے ضبط اور تحمل سے کہا۔ کمرے میں ناک کر کے اندر آتی زرتاشہ نے اس کا لمحہ بہ لمحہ سرخ ہوتا چہرہ بڑے غور سے دیکھا تھا۔ وہ عالیان کے آج شام میں ارحم کی سالگرہ میں جانے کا یاد کروانے آئی تھی۔ مگر اسے مصروف دیکھ کر پلٹنے کو تھی کہ اس کی دھاڑتی آواز

پہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

"اور یہ بھی اڑتی سی خبر سنی ہے میں نے ایس پی عالیان کہ تمہیں اپنی بیوی سے کوئی لگاؤ نہیں تھی کہ بچوں کی بھی کوئی خاص پروا نہیں ہے۔ کیوں ظلم کرتے ہو اتنی خوبصورت بیوی پہ چچ چچ بہت افسوس ہوتا ہے مجھے۔" دھمکی آمیز لہجہ میں وہ اسے کیا جتانا چاہتا تھا یہ وہ جانتا تھا اسے اپنی کنپٹیوں میں خون ٹھوکریں مارتا ہوا محسوس ہوا۔ مجرموں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی فطرت کو وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ مگر جب وہ اتنی گھٹیا گفتگو پہ اتر آیا تو اسے خود پہ قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"شٹ اپ، آئندہ مجھے فون کرنے سے پہلے اپنی زندگی کا بیمہ ضرور کروا لینا۔" غرا کر اسے کہا اور سیل فون بیڈ پر اچھال دیا۔ کچھ لمحوں تک کمپوز کرتا رہا خود کو پھر پلٹا تو زرتاشہ کو اپنا منتظر پایا۔

"وہ میں...... میں پوچھنے آئی تھی آج ارحم کی برتھ ڈے......" وہ ہکلا کر رہ گئی کیونکہ وہ خاصی سخت نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"ہوں میں چینج کرتا ہوں آپ بھی تیار ہو جائیں۔" سپاٹ لہجہ میں کہہ کر وہ پلٹ گیا تو وہ بھی باہر آ گئی۔ ابھی تک اس کا ہتک آمیز رویہ اور تھپڑ نہیں بولا تھا۔ اس لئے بہت کم سامنا کرتی تھی اس کا۔ در شہوار کہا کرتی تھی کہ

"آپی اول تو آپ اپنا غصہ ظاہر کر دیتی ہیں مگر اگر اس کا اظہار نہ کریں تو ایسی خاموشی اور سرد مہری کی چادر اوڑھ لیتی ہیں کہ ڈر لگنے لگتا ہے اس جامد چپ سے۔" اور وہ آج کل اسی کیفیت سے گزر رہی تھی حالانکہ جانتی تھی کہ دوسری طرف کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مگر اپنے اندر کا غصہ باہر بھی تو نہیں نکال سکتی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر پہلے افنان کو تیار کیا اور پھر دعا کے کپڑے چینج کر کے خود وارڈ روب کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بے اختیار نگاہ بلیک ساڑھی پر ٹک گئی جس پہ ستاروں کا نفیس سا کام ہوا تھا۔ نجانے کس احساس کے تحت وہ اسے باہر نکال لائی حالانکہ ساڑھی نہ تو اس نے کبھی باندھی تھی اور نہ ہی کبھی اسے یہ ڈریس خاص پسند رہا تھا۔ مگر آج نہ صرف اس نے اسے باندھا بلکہ جب آئینہ کے سامنے خود کو دیکھا تو ہلکے پھلکے میک اپ اور بلیک پتھروں کی جیولری میں خود پہ یہ لباس بہت اچھا لگا۔

"مما!" وہ پلٹ رہی تھی جب کمرے میں داخل ہوتے افنان نے اس کی ساڑھی کا پلو آہستگی سے کھینچا۔ وہ اسے نیچے جھکنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ جونہی وہ جھکی اس نے اس کے گال پہ کس کر دی۔

"ارے۔" وہ حیران ہوئی پھر ہنس دی۔ بہت بدل گیا تھا وہ جو اسے اچھا لگتا اس کا اظہار فوراً کر دیتا اور اگر کچھ ناپسند ہوتا تو بھی اپنی ناگواری ظاہر کر دیتا۔ روز بروز اس کے اعتماد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور زرتاشہ اپنی کی گئی محنت کا یہ نتیجہ پا کر بہت خوش تھی۔

"چلیں اب۔" ہولے سے اس کا گال چھو کر پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اس کی انگلی تھام کر چلنے لگا۔ صغراں سے دعا کو پکڑتے ہوئے اس نے رات کے لئے ہدایات دیں اسے۔ پھپھو گھر پہ ہی تھیں اس کے اور عالیان کے کہنے کے باوجود وہ انکار کر چکی تھی جانے کے لئے اپنے کمرے سے نکلتا عالیان بے اختیار ٹھٹھک گیا۔ بلیک ساڑھی میں اس کا متناسب سراپا بے پناہ دلکش لگ رہا تھا۔ دعا کو گود میں لئے افنان کی انگلی پکڑے وہ مکمل ذمہ دار ماں کا روپ ڈھالے کھڑی تھی۔

"باجی تساں بوہت سوہنے لگ رہے ہو آج۔" صغراں پر اشتیاق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ کلائی پہ گھڑی باندھ کر باہر آ گیا۔ جونہی نظر افنان پہ پڑی تو بے ساختہ مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی وہ مسلسل پیار سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی اس کا پلو تھام لیتا اور کبھی اس کی

UrduPhoto.com

چوڑیوں سے کھیلنے لگتا۔ منہ سے اظہار کرنا نہیں آتا تھا۔ مگر بچے اپنے رویے سے فوراً پسندیدگی ضرور شو کر دیتے ہیں۔ زرتاشہ نے عالیان کو باہر جاتے دیکھا تو شامی کو ڈنر کا مینو بتا کر اس کے پیچھے چل دی۔ بلیک سوٹ میں وہ اونچا لمبا شاندار شخص اس کے آگے چلتا ہوا کتنا مضبوط اور محفوظ سائبان محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے رویوں کے باوجود دل نے ایک بار جو دروازہ کھول دیا تھا تو آسانی سے اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ اس لمحہ بہ لمحہ بڑھتی شکست کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ مگر اتنا ضرور جانتی تھی کہ دل اب پلٹ کر پچھلی راہوں پہ نہیں جائے گا۔ اسی لئے تو کل مارکیٹ میں اچانک آذر کا سامنا ہونے پہ بھی دل کی رفتار نارمل ہی رہی تھی۔ ایسا کیوں ہوا تھا؟ وہ یہ فی الحال سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' زینیا اور ریحان کسی بات پہ بحث کر رہے تھے۔ لان میں بے شمار مہمان موجود تھے۔ ویٹرز ادھر ادھر پھرتے سروس دے رہے تھے سب کو۔

''اتنی لیٹ آئے ہو تم لوگ؟'' زینیا نے گرمجوشی سے اسے گلے سے لگا کر شکوہ کیا۔ دونوں میاں بیوی کی اکٹھی نگاہ ان کے پیچھے گئی تھی اور پھر مایوس سی پلٹ آئی تھی۔ اس نگاہ کا مطلب عالیان اور زرتاشہ بخوبی سمجھتے تھے اس لئے کچھ شرمندہ سے نظریں چرا گئے۔

''تم لوگ کیوں جھگڑ رہے تھے ابھی۔'' اس نے دانستہ ان کا دھیان بٹایا۔

''میں نہیں ریحان ہی لڑائی کر رہے تھے۔'' اس نے خفگی سے ریحان کی طرف دیکھا جس کے تاثرات بھی ایسے جیسے ہی تھے۔

''اب دیکھو نا کچھ دن پہلے مجھے مارکیٹ میں تابندہ سلمان ملی۔ عادت کے مطابق میری اب سے جلدی دوستی ہو گئی۔ پھر اتفاقاً ایک دوبار پھر ہمارا ٹکراؤ ہو گیا اور میں نے اسے ارحم کی پارٹی پہ انوائیٹ کر لیا اسی پہ موصوف اعتراض کیے جا رہے ہیں۔'' زرتاشہ نے دعا کو کرسی کے سہارے کھڑا کیا اور غور سے اس کی شکایت سننے لگی۔

''مجھے اس کے انوائیٹ کیے جانے پہ اعتراض نہیں ہے۔ آپ اس کی ڈریسنگ دیکھیں اور پھر اس کے انداز......'' ریحان کے لہجے میں واضح ناراضگی تھی۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں زرتاشہ اور عالیان دونوں نے سامنے دیکھا۔ عالیان کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں کھل گئے۔

''تابندہ اور یہاں......'' وہ بڑبڑا کر رہ گیا جب کہ زرتاشہ نے ایک نظر ڈالنے کے بعد جھکالی تھی۔ اتنا کھلا ڈلا لباس، ریڈ کلر کے ڈیپ گلے والی سلیولیس بلاؤز جو کہ صرف نام کا تھا اور ساڑھی میں لپٹا وجود سب کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ نزاکت سے بار بار اپنے بال پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ مردوں میں گھری مسلسل بول رہی تھی۔ پارٹی میں بہت سے لوگوں کی نگاہوں میں ناپسندیدگی تھی اس کے لئے۔ واقعی وہ ان کی خاندانی روایات سے میل نہیں کھاتی تھی۔ کیونکہ زرتاشہ کو اگر مارکیٹ تک بھی جانا ہوتا تھا تو بنا چادر کے اسے نکلنے کی اجازت نہ تھی یہی حال پارٹیز میں تھا۔ زینیا بھی خود کو لپیٹ کر باہر جاتی تھی۔ پھر ریحان کیسے اتنی بیہودگی برداشت کر جاتا جب کہ خود زرتاشہ کی نگاہیں اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں۔

''اچھا چلیں چھوڑیں اب وہ واپس تو نہیں چلی جائے گی پلیز موڈ ٹھیک کر کے اپنے مہمانوں کو ریسو کرو۔'' زرتاشہ نے رسانیت سے دونوں سمجھایا۔ ریحان خراب موڈ کے ساتھ دوسری طرف چلا گیا۔ عالیان کو کوئی جاننے والا مل گیا تھا۔

''چلو تم میرے ساتھ ذرا کچن کا چکر لگاؤ۔ صبح سے گھن چکر بن چکی ہوں میں۔ ایک تو اکلوتی بہی ہوں ماں باپ کی تمہارا سہارا تھا مگر تم بھی مہمانوں کی طرح شریک ہوئیں۔'' عادت کے مطابق زینیا جلد ہی موڈ پہ قابو پا کر ازلی شگفتگی سے اسے کچن کی طرف لے جاتے ہوئے بولے گئی وہ دعا کو زینیا کی ملازمہ کے حوالے کر کے، افنان کو بچوں میں مصروف دیکھ کر مطمئن سی زینیا کی مدد کرانے لگی۔

''ویسے عالیان بھائی بہت لگی ہیں سدرہ بھابھی بھی بہت لونگ نیچر کی تھیں اور تم بھی بہت اچھی ہو۔'' وہ کھلے دل سے تعریف کر رہی تھی۔

''مجھے پورا یقین ہے اب عالیان بھائی بھی تم سے نظر نہیں چرا سکتے ہوں گے۔'' زرتاشہ کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ آنکھوں کی نمی چھپانے کے لئے وہ مڑ کر پلیٹوں میں سامان نکالنے لگی۔

''تم اتنا کم کیوں بولتی ہو۔ حالانکہ شادی سے پہلے میری تم سے ایک دوبار ملاقات ہوئی تھی تب تو تم اتنی کم گو نہیں تھیں۔'' زینیا بلا کی نظر شناس تھی۔

''کچھ نہیں بس۔'' اسے کوئی جواب نہیں سوجھا۔

''یقیناً عالیان بھائی کا رعب ہو گا۔ مگر یار جتنا ان مردوں سے ڈرو یہ اتنا ہی دباتے ہیں۔ تھوڑی سی ہمت پکڑو۔''

''اے...... میری بھولی سی بھاوج کو الٹے سبق مت پڑھاؤ۔'' اسی وقت کچن میں ریحان نے آ کر مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

''جی نہیں میں صرف سچائی بیان کر رہی تھی۔'' وہ سب سامان نوکر کی مدد سے سیٹ کر چکی تھی اس لئے مطمئن ہو کر جواب دیا۔

''اب دیکھو اچھا بھلا کھانا باہر سے تیار ہو کر آ گیا تھا مگر تمہیں میرے ہاتھ کی بنی ڈشز کی ہڑک اٹھی اور لے کر مجھے رعب سے کچن میں لگائے رکھا آج۔'' اس نے ایک بار پھر شکایتی ٹو کرا کھولا۔ زرتاشہ محض مسکراتے ہوئے دونوں کو سن رہی تھی۔

''تو بھئی یہ تو میری محبت کا ثبوت ہے جو تمہارے ہاتھ کے سوا کسی اور کے ہاتھ کا بنا پسند ہی نہیں آتا۔'' اس کا لہجہ خمار آلود ہو گیا۔ زینیا نے سرخ ہو کر اسے باہر دھکیلا اور زرتاشہ کا ہاتھ پکڑ کر خود بھی باہر نکل آئی۔ لان میں آ کر اس نے دیکھا ابا اور اماں، درشہوار کے ساتھ وشی آپا اور کاشف بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ اسے بے پناہ مسرت ہوئی۔ ان سے ملنے کے لئے وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی کہ بلا ارادہ نگاہ اپنے دائیں طرف اٹھ گئی۔ جہاں پہ عالیان کھڑا تابندہ سلمان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ ویسے تو ہنسنے پہ جیسے ٹیکس لگا ہوا تھا اور اب جیسے مفت میں ہنسی لٹا رہے تھے موصوف وہ جل کر رہ گئی اس کا جی چاہا ریحان کو پکڑ کر اس کے سامنے کھڑا کر دے۔ وہ جو اس لڑکی کی آمد اور لباس پہ کڑھ رہا تھا اب بھائی کے کرتوت بھی ملاحظہ کر لیتا جو اس لڑکی پہ پوری جان سے فدا ہو رہا تھا۔ ابا اماں سے بیدلی سے مل کر وہ خاموش سے کھڑی تھی مگر نظریں بار بار بھٹک کر اسی ایک منظر میں الجھ رہی تھیں۔ وشی آپا کو دیکھ کر اسے حقیقی مسرت ہوئی تھی کچھ پل کے لئے وہ اپنی کوفت بھول گئی۔ کاشف بھائی بھی مطمئن اور خوش باش دکھائی دے رہے تھے۔ اماں اور وشی آپا دونوں کے چہرے پر سکون تھا۔ شوہر کی توجہ اور محبت نے انہیں نکھار دیا تھا۔ اس نے ہونٹ چباتے ہوئے اپنے جلتے خون کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی توجہ بچوں کی طرف کر دی۔ دعا آنکھیں مسل رہی تھی اس کے سونے کا ٹائم ہو رہا تھا۔ کیک کے بعد اس نے واپسی کا قصد کیا۔ منہ میں ایک نوالہ بھی نہیں ڈالا تھا اور حلق سے کچھ اترنے کو تیار بھی نہیں تھا۔ پورے ماحول میں خود کو آن فٹ محسوس کر رہی تھی ''۔ تھوڑی دور ہی ریحان اور زینیا اگرچہ مہمانوں کو اٹینڈ کر رہے تھے مگر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ریحان آتے جاتے کوئی نہ کوئی بات ہولے سے زینیا سے ضرور

UrduPhoto.com

کھر جاتا جس کے اثرات اس کے گلابی چہرے کو اور دلکش بنا دیتے۔ اس نے پلکیں جھپک کر آنکھوں کی دھند کو پیچھے ہٹایا۔ عالیان اس کی طرف آرہا تھا۔

''چلیں۔'' چہرے پہ مخصوص بیگانگی اور سنجیدگی ثبت تھی۔

''جی۔'' اثبات میں سر ہلا کر مڑ کر افنان کو آواز دی۔

''تم تو ٹھہر جاتیں کل تو ویسے ہی سنڈے ہے۔'' زینیا نے اصرار کیا۔

''پھر بھی سہی۔ فی الحال تو تم میرے شوہر صاحب کے تیور دیکھ ہی رہی ہو۔'' بمشکل شگفتگی سے اسے ٹالا۔

''ایز یو وِش، مگر سنبھل کر اور آنکھیں کھول کر چلنا سیکھو ابھی تمہیں بہت سی تابندہ سلمان ملیں گی۔'' اس کی در پردہ نصیحت پہ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ بھلا کیا کر سکتی تھی۔ اماں نے اسے گلے لگا کر پیار کیا تو ضبط کے بندھن ٹوٹتے محسوس ہوئے۔ ابا نے بھی اسے کندھے سے لگایا تھا۔

''ہماری طرف ضرور آنا ہے تمہیں۔'' وشی آپا نے تاکید کی تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''پہلا حق میرا بنتا ہے آپ، کاشف بھائی ضرور لے کر آیئے گا۔''

''انشاء اللہ ضرور آئیں گے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عالیان ابا اور اماں سے مل رہا تھا۔ زرتاشہ نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ پھپھو کے مقابلے میں وہ بہت احترام اور نرمی سے ابا اور اماں سے ملتا تھا وہ خوشی سے نہال اپنے بھتیجے اور داماد کو سن رہے تھے۔

''افنان جانو، ابھی سونا نہیں ہے بس ابھی گھر آجائے گا پھر اپنے بیڈ پہ جا کر سوئیں گے۔'' وہ گاڑی میں ادھر ادھر کی باتیں کر کے افنان کا دھیان نیند سے ہٹا رہی تھی۔ گاڑی کی خاموش فضا میں اس کی دھیمی آواز عالیان کو اپنے ساتھ بیٹھے افراد پہ نظریں ڈالنے پہ مجبور کر رہی تھی۔

''تم لوگ جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔'' انہیں گیٹ پہ چھوڑ کر وہ گاڑی لے اڑا۔ رات کے ایک بجے اسے کون سا کام تھا وہ الجھتی ہوئی افنان کی انگلی تھامے اندر آگئی۔

''سر! تابندہ سلمان مجھے کل فنکشن پہ ملی تھی۔'' اس کے لہجے کی پریشانی اور الجھن چہرے سے مترشح تھی۔ عاطف شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کہاں؟'' جواباً عالیان نے انہیں کل کی ساری ملاقات کی روداد سنا دی۔

''ہوں۔'' انہوں نے ہنکارہ بھرا۔

''گویا اب وہ اپنا نیٹ ورک تمہارے گھر سے شروع کرنا چاہتے ہیں بی کیئر فل عالیان، عورتوں کو بہکانا اور اپنے مفاد میں استعمال کرنا ان کا پہلا اصول ہے اور تم تو ویسے بھی ان کی ہٹ لسٹ پہ ہو۔'' وہ بھی فکر مند ہو گئے۔

''اسے بہر حال میں نے شک نہیں پڑنے دیا کہ میں اسے جانتا ہوں۔''

''پارٹیوں میں عورتوں سے تعلقات بڑھا کر ایسے ایسے کام کرنے پہ انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم سوچ کر ہی شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں سر، اس دفعہ یہ گروپ بچ کر نہیں جا سکے گا۔'' وہ عزم سے بولا۔

''بچوں کی اسمگلنگ والے کیس پہ کتنی پیش رفت ہوئی ہے؟''

''انشاء اللہ سر، ایک دو دن تک آپ اچھی خبر سنیں گے۔''

''اور یار وہ ہوٹل والے کیس کے پیچھے بہت سے مضبوط ہاتھ آگئے ہیں بہت پریشرائز کیا جا رہا ہے اس معاملے میں۔ جلد ہی اس کی فائل کمپلیٹ کر کے کیس عدالت میں بھجوا دو۔''

انہوں نے اسے تاکید کی وہ تو سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو، چائے پی کر جان ورنہ تمہاری آنٹی خفا ہوں گی۔''

''پھر سہی سر! مجھے آج مما کو روٹین چیک اپ کے لئے لے کر جانا ہے۔'' اس نے نرمی سے معذرت کی۔

''اچھا چلو ایسے ہی سہی، مگر کل شام کی پارٹی کا یاد رکھنا۔'' انہوں نے پھر تاکید کی تو وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

''ابھی فرنچ فرائز کھانے کے بعد ہوم ورک ہوگا پہلے۔'' افنان کی خواہش پہ وہ کچن میں کھڑی چپس بنا رہی تھی۔ ساتھ ہی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔ شامی ضروری سامان لینے کے لئے مارکیٹ گیا ہوا تھا۔ پھپھو اور عالیان تھوڑی دیر سے ہی ڈاکٹر کے پاس سے آئے تھے۔ پھپھو کو شوگر اور بلڈ پریشر کی شکایت تھی جو آج کل بہت بڑھ گئی تھی۔ اسی لئے تقریباً ہر اتوار کو عالیان کے ساتھ وہ ڈاکٹر کے پاس جاتی تھیں۔ اب وہ اپنے کمرے میں بند تھیں اور عالیان بھی اپنے کمرے میں کمپیوٹر پہ کام کر رہا تھا۔ دعا پاس ہی اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

''مما اش تے بعد ترتٹ (اس کے بعد کرکٹ)۔'' افنان ہاتھ سے پسینہ صاف کرتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔

''جی جیسے سرکار کا حکم۔'' اس نے اس کا گال چوم لیا۔ اسی وقت عالیان کی تیز دھاڑ پہ وہ کچھ گھبرا کر چولہا بند کرتی اس کے کمرے کی طرف بھاگی۔ اندر کا منظر ویسا نہیں تھا جیسا وہ کچھ لمحے پہلے چھوڑ کر گئی تھی۔ دعا گرتی پڑتی سائیڈ ٹیبل تک نہ صرف پہنچ گئی تھی بلکہ شاید عالیان کی فائل تک بھی اپنی رسائی کر لی تھی۔ نتیجتاً وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا اپنے کاغذ فرش سے سمیٹ رہا تھا۔

''اب اگر اس کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ کر رکھ دوں گا سمجھیں۔'' وہ بالکل بڑے بچوں کی طرح اسے اس وقت ٹریٹ کر رہا تھا۔ اسے ہنسی کے ساتھ بچی پہ ترس بھی آیا۔ لپک کر اسے پکڑا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''لے جائیں اسے سارے پیپرز تباہ کر دیئے ہیں نانسنس نے۔'' دعا کافی دیر سے سہمی نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا سہارا پاتے ہی باقاعدہ سسکیاں لینے لگی۔

''اسٹاپ اٹ دعا۔'' وہ پھر دھاڑا تو زرتاشہ نے خائف نظروں سے اسے دیکھا پیچھے کھڑا افنان بھی ڈر کر اس کے کندھے سے آلگا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کتنا فریش سا اس سے باتیں کر رہا تھا اب پل بھر میں ہی زرد پڑ گیا تھا۔ یہ شخص کسی کا نہیں ہو سکتا سوائے اپنی ماں کے جو اپنے بچوں کے لئے اتنا سخت گیر ہو سکتا ہے اس سے کسی نرمی کی توقع رکھنا ہی عبث ہے۔ افنان اور دعا کو اپنے ساتھ لگائے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ لاؤنج میں آگئی۔

''مما بابا گندے ہیں۔''

''بری بات ایسے نہیں کہتے بیٹا۔''

اسے اپنے دوسرے بازو کے گھیرے میں لئے اپنی اندر کی نمی کو باہر نکلنے سے روکا۔ دعا ابھی تک اس سے لپٹی سسک رہی تھی۔ اسے بچوں کی حالت پہ بے پناہ دکھ ہوا وہ جتنی کوشش کرتی ان کا اعتماد بحال کرنے کی عالیان اپنے رویے سے نہیں دوبارہ اسی بے اعتمادی اور خوف کی دلدل میں دھکیل دیتا۔

''چلیں ہم لوگ چپس کھاتے ہیں اور پہلے کرکٹ کھیلیں گے۔ پھر ہوم ورک ہوگا ٹھیک ہے ناں۔'' بچے کو بہلایا تو فوراً خوش ہو کر اس کے ساتھ چلا آیا۔ اگلے دو گھنٹوں تک وہ نہ صرف بچوں

UrduPhoto.com

کے موڈ بحال کرنے میں کامیاب ہو گئی بلکہ خود کو بھی خاصا فریش محسوس کیا تھا اس نے کچھ دیر پہلے کی تلخی وہ تقریباً ذہن سے جھٹک چکی تھی۔

''ہیلو عالیان!'' گیٹ پہ ان کا استقبال مسز عاطف اور عاطف شاہ نے کیا تھا۔ جواباً اس نے بھی گرمجوشی سے عاطف شاہ سے ہاتھ ملایا۔

''بہت پیاری ہے تمہاری وائف۔'' مسز عاطف نے پنک سوٹ میں سامنے کھڑی زرتاشہ کو ستائش سے دیکھا وہ کچھ جھینپ کر رہ گئی۔

''بھئی سچ پوچھو تو مجھے عالیان کی مسز سے ملنے کا اتنا شوق تھا کہ تم یقین کرو میں نے یہ پارٹی بھی اسی لئے ارینج کی ہے۔ تم لوگوں کی شادی پہ عاطف کا کورس تھا اس لئے ہم آؤٹ آف سٹی تھے ورنہ ضرور شرکت کرتے۔'' عالیان دوسرے آفیسرز کی طرف بڑھ گیا تھا جب کہ مسز عاطف اسے لئے اپنی دوستوں کی طرف آ گئیں۔ ان کے بولنے کی رفتار ان کے چلنے سے دوگنا تھی۔

''کیا نام ہے تمہاری بیٹی کا۔'' سرخ و سفید گلابی گالوں والے دونوں بچے پورے اپنے باپ پہ گئے تھے۔ اس لئے بہت جلد لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا لیتے تھے۔

''دعا ہے اس کا نام۔'' اسے نیچے اتارتے ہوئے خوشدلی سے جواب دیا۔

''اور یہ......؟'' وہ بڑی دلچسپی سے بلیک کرتا شلوار میں ملبوس افنان کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ افنان ہے۔''

''بہت کیوٹ ہیں تمہارے بچے۔'' انہوں نے جھک کر دونوں کے گال چومے۔ پھر کسی کے بلانے پہ اس سے معذرت کرتی ہوئیں دوسری طرف چلی گئیں۔ وہ ایک کونے میں پڑے ٹیبل پہ بیٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ کچھ فاصلے پہ مسز عاطف کی سہیلیوں کا گروپ کھڑا تھا۔ وہی مخصوص

نخوت، ناز و انداز ان کی گفتگو اور انداز سے ظاہر تھا۔ ان کے مقابلے میں مسز عاطف کافی ڈیسنٹ لگی تھیں آف وائٹ ساڑھی میں مناسب میک اپ میں وہ کافی سوبر لگ رہی تھیں ذرا سا گردن کو گھما کر دیکھا تو عالیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اس کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ کو اتنے فاصلے سے بھی دیکھ سکتی تھی۔ باہر لوگوں میں وہ شاید اتنا ہی خوش مزاج تھا۔ اسے کھل کر ہنستے دیکھ کر اس نے سوچا۔

پھر گہرا سانس لے کر کرسی پہ بیٹھے افنان کو دیکھا وہ کچھ بیزاریت سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دعا کو اس نے اپنے دوسری طرف والی کرسی پہ بٹھایا ہوا تھا وہ بھی حسب عادت شرافت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں نے کبھی بھی اسے کسی دوسری جگہ پہ جا کر تنگ نہیں کیا تھا۔

''مما گھر چلیں۔'' افنان کچھ زیادہ ہی اکتا گیا تھا۔

''گھر......'' اس کے ہونٹوں سے بے آواز نکلا اور افسردگی نے اس پہ دوبارہ حملہ کر دیا آج ان کے یہاں آنے سے پہلے ابا آئے تھے۔ وہ ملنے تو اس سے آئے تھے مگر پھپھو نے اس کے خلاف شکایات کی لمبی فہرست جاری کر کے انہیں اپنے پاس سے نہیں اٹھنے دیا۔ وہ محض خاموش تماشائی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

''پھپھو کسی بھی حال میں خوش نہیں رہ سکتیں۔'' یہ اس کی حتمی رائے تھی۔ ابا کے کندھے جھک گئے تھے۔ انہوں نے جاتے ہوئے محض اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔

''اپنا خیال رکھا کرو بیٹا۔'' اسے ابا برسوں کے بوڑھے دکھائی دے رہے تھے وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندگی سے سر جھکا گئی تھی۔ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا اس پارٹی میں آنے کا، مگر عالیان اسے حکم دے چکا تھا اور

اس نے اب بحث کرنا چھوڑ دیا تھا اس لئے اس کے آنے تک وہ تیار تھی۔

''کیا بات ہے بھئی، آپ بور ہو رہے ہیں کیا؟'' اسی وقت مسز عاطف آ گئیں وہ شاید افنان کی بات سن چکی تھیں۔

''تانیہ بیٹا بھائی کو ساتھ لے کر جائیں۔'' انہوں نے قریب ہی دو تین اپنے ہم عمر بچوں میں گھری سات آٹھ سالہ بچی کو بلایا۔

''ایکچوئلی میری کوئی اولاد نہیں ہے۔'' وہ خود ہی بتانے لگیں۔ افنان کو تانیہ اپنے ساتھ لے کر جا چکی تھی۔

''عالیان کو جب دیکھا تو دل نے کہا اگر میرا اپنا بیٹا ہوتا تو وہ بھی شاید کیا یقیناً ایسا ہی اصول پسند اور مغرور ہوتا۔'' وہ کچھ کھو سی گئیں۔

''مجھے سب سے منفرد اور الگ لگا تھا وہ، پھر عاطف بھی اس کی بے پناہ تعریف کرتے ہیں اس لئے خود بخود مجھے اس سے انسیت ہو گئی۔ اس لئے تو مجھے تم سے ملنے کا اتنا شوق تھا میں دیکھنا چاہتی تھی کہ اس جیسے اکھڑ اور روڈ شخص کو نکیل ڈالنے والی کون سی لڑکی ہے اور یقین جانو مجھے بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر۔'' انہوں نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ ایک بار پھر جھینپ گئی۔

''تمہیں پتا ہے جب تم شرماتی ہو تو کتنی پیاری لگتی ہو اور مسکراتے ہوئے تمہارا یہ ڈمپل نظریں ہٹانے نہیں دیتا تمہارے چہرے سے۔'' وہ اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے مزید کنفیوز کر رہی تھیں۔

''مجھے بتاؤ، عالیان نے نہیں بتایا تمہیں یہ۔'' وہ فرینڈلی انداز میں اس کے قریب جھک کر پوچھنے لگیں۔

''پلیز مسز عاطف۔'' وہ سرخ ہوتی ہوئی محض یہی کہہ سکی۔

''اونہوں...... تم اگر مجھے آنٹی کہو گی تو مجھے

بہت اچھا لگے گا۔'' انہوں نے اسے ٹوکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''چلو میرے میاں صاحب کو پھر سے میری یاد ستانے لگی ہے۔'' عاطف شاہ کو اپنے ٹیبل کی طرف آتا دیکھ کر وہ بیچارگی سے بولیں تو وہ ہنس دی۔ ان کی کمپنی میں کوئی بھی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ واپسی کا سفر حسب معمول خاموشی میں کٹا تھا۔ آج کی پارٹی میں اسے واقعتاً بہت مزہ آیا تھا۔ مسز عاطف نے ایک لمحہ کے لئے اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ حتیٰ کہ عالیان کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ ان کے شوخ اور ذومعنی فقروں نے اسے تو پزل کیا ہی تھا عالیان بھی کئی بار نروس ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا تھا۔ ان کی باتوں نے ابھی تک زرتاشہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیری ہوئی تھی۔

گھر پہنچ کر شام کا منظر پھر آنکھوں میں گھوم گیا تو وہ تھکی سی بچوں کو لے کر کمرے میں چلی آئی۔ ان کے کپڑے چینج کرنے کے بعد انہیں سلایا اور عادت کے مطابق عالیان کو دودھ کا گلاس دینے کے لئے اس کے کمرے میں آ گئی۔ وہ گرے شلوار سوٹ میں بازو کہنیوں تک فولڈ کیے آرام دہ حالت میں بیڈ پہ نیم دراز کتاب میں گم تھا۔

''یہ دودھ......'' سائیڈ ٹیبل پہ دودھ رکھ کر مڑی۔ اسے ابھی اپنے کپڑے تبدیل کرنا تھے، میک اپ اور جیولری سے چھٹکارا پانے کا سوچ کر ہی اسے کوفت ہونے لگی۔

''اوشٹ۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا دودھ چھلک کر عالیان کے کپڑوں پر گر گیا تھا اور وہ سخت جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔

''ایک منٹ میں ابھی کپڑا لاتی ہوں۔'' وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد گیلے کپڑے سے اس کی قمیض صاف کر رہی تھی۔ عالیان نے بغور اپنے قریب جھکی زرتاشہ کا جائزہ لیا۔ پھر نگاہیں پھیر گیا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر

UrduPhoto.com

جونہی سیدھی ہونا چاہا تو کراہ کر رہ گئی۔ کھلے بالوں کی کچھ لیئرس پیچھے کی وجہ سے عالیان کی شرٹ کے بٹن میں بری طرح الجھ گئی تھیں۔ خالصتاً فلمی سچویشن پہ وہ گھبرا کر انہیں چھڑانے کی کوشش میں مزید الجھ گئی۔ عالیان خاموشی سے کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو کر روہانسی ہو گئی۔ تو اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر خود بٹن سے نکالنے لگا۔ وہ پہلی بار عالیان کے اتنے قریب کھڑی تھی اور اس قربت نے اس کے گالوں کو دہکا کر رکھ دیا تھا۔ دل کی دھڑکن بے ربط ہونے لگی تھی۔ وہ جلد از جلد اس کے قریب سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔

''ہائے اگر بال نہ نکلے تو کہیں یہ قینچی نہ پھیر دیں۔'' ذرا سی نظریں گھما کر اچھی خاصی موٹی لٹوں کو فکرمندی سے دیکھا۔ عالیان کے غصہ کا سوچ کر مزید پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ سارے بال چھڑا چکا تھا۔

''تھینک یو۔''

ممنونیت سے اسے دیکھا اپنے لمبے بالوں سے اسے بے پناہ پیار تھا۔ وہ ابھی تک اس کے بالوں کو ہاتھ میں پکڑے عجیب طرح سے اسے دیکھ رہا تھا اور دوسرا لمحہ نہ صرف اسے حد سے زیادہ حیران کر گیا بلکہ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ وہ اس کے بالوں پہ اپنے ہونٹ رکھ چکا تھا۔ زرتاشہ نے سراسیمہ ہو کر اسے دیکھا۔ مگر وہ نرمی سے اسے اپنے قریب کر گیا۔ بنا کچھ کہے بڑے احتیاط سے اس نے اس رات اسے سنبھالا تھا۔ مزاج کی کرختگی کی نسبت اس کے لمس میں محسوس کیے جانے والی اپنائیت اور حلاوت تھی۔ اتنے پیار سے وہ اسے برت رہا تھا کہ وہ کتنے پل اپنے مکمل کیے جانے پہ نازاں ہوتی رہی۔ اس کی ہر حدت اور پرتپش قربت نے اسے سب کچھ بھلا کر پگھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ رات محبت کی ایک نئی کہانی چپکے سے رقم کر گئی تھی۔ زندگی کے گزرتے لمحات نے رک کر اسے شدت سے دعا دی تھی اور آگے بڑھ گئے تھے۔

''عالیان بھائی کہاں ہیں؟ ان کا سیل فون بھی آف ہے کافی دیر سے میں ٹرائی کر رہی ہوں۔'' زینیا نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی۔ زرتاشہ نے ریسور کان ہٹا کر اسے گھورا گویا سامنے زینیا کھڑی ہو۔

''کیوں خیریت تو ہے۔'' آخر اسے بولنے کا موقع مل ہی گیا۔ کمرے سے تک سک سے تیار پھپھو نے ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر ڈرائیور کو آواز دیتی ہوئیں باہر نکل گئیں۔

''یار! وہ مجھے تابندہ سلمان ملنے آئی تھی آج، عالیان بھائی نے مجھے کہا تھا کہ جب بھی وہ مجھے ملے، میں انہیں ضرور انفارم کروں۔ سو میں نے اس لئے کال کی تھی۔'' زرتاشہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیا دو دن پہلے رات کے وہ پل محض لمحاتی خواہش کا نتیجہ تھے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

''وہ تو رات پٹرولنگ پہ تھے۔ اس لئے صبح بھی گھر نہیں آئے ابھی تک۔'' خود پہ قابو پا کر ہموار لہجہ میں کہا۔ یہ تو وہ بھول ہی گئی تھی کہ اس رات کے بعد وہ پھر سے اجنبی ہو گیا تھا۔ اس کی بیگانگی پہ وہ کتنے پل دکھی ہوتی رہی تھی۔ اگر وہ مہربان نہ ہوتا تو وہ بھی کبھی خوش فہم نہ ہوتی۔ مگر اس کا بے نیاز رویہ اس کی ہر خوش فہمی کو ختم کر رہا تھا۔

''اچھا چلو انہیں بتا دینا اور پلیز بچوں کے ساتھ ان کے بابا پر بھی ذرا سی توجہ بڑھا دو۔ پوری زندگی گزارنا ہے تمہیں ان کے ساتھ اتنی لاپروا مت بنو کہ کوئی اور لے کر انہیں چلتا بنے۔'' وہ خاموشی سے اسے سنے گئی۔ آج کل یہی عادت تو اپنائی تھی ہر ایک کو سننا اور خود چپ کی بکل اوڑھے رہنا۔ پہلے ہر بات اماں سے اور در شہوار سے شیئر کر لیا کرتی تھی اور اب تو کتنا عرصہ گزر جاتا وہ اماں کی طرف ہی نہ جاتی تھی۔ وہ بلاتیں بھی تو بہانہ بنا کر ٹال دیتی۔ اماں کی نظروں سے وہ کچھ نہیں چھپا سکتی تھی یہ ایک سچ تھا اور اس سچائی سے بچنے کے لئے وہ فرار کی راہ اپنائے ہوئے تھی پھر اس دن ابا کو جو کچھ پھپھو نے کہا تھا اسپیشلی اماں کی تربیت کو جیسے تنقید کا نشانہ بنا کر اسے ذہنی ٹارچر دیا تھا تو وہ فی الحال اماں، ابا کا سامنا کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ کیسے اپنے بھرم کے ٹوٹنے کا دکھ ان بوڑھی آنکھوں میں دیکھتی۔

''تم سن رہی ہو ناں مجھے۔'' زینیا نے اس کی طویل خاموشی کو محسوس کیا تھا۔

''ہاں۔'' گہری سانس لے کر اسے اطمینان دلایا تو وہ پھر نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

''اچھا ریحان آ گئے ہیں۔ میں نے جو کہا ہے اس پہ غور ضرور کرنا۔'' اس نے عجلت میں فون بند کیا تو وہ اس کے انداز پہ بے ساختہ مسکرا دی۔ مگر دوسرے پل ہی ایک اذیت ناک سوچ پہ ہونٹ بھینچ گئی۔ افنان کی سکول سے واپسی کا وقت ہو گیا تھا۔ دعا ابھی تک کھلونوں میں مصروف تھی اس لئے وہ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر پورچ کی طرف چل دی۔ تاکہ افنان کو ریسور کر سکے۔ کیونکہ سب سے پہلے وہ گھر میں داخل ہوتے وقت مما کو سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔

عالیان کے ماتھے پہ شکنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ لڑکی تابندہ سلمان اسے الجھائے جا رہی تھی۔ تقریباً ہر جگہ پہ اس کا ٹکراؤ ضروری ہوتا تھا۔ وہ کیا کرنا چاہ رہی تھی وہ باوجود اتنے ذہین ہونے کے واضح طور پہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ابھی بھی جب جم میں داخل ہوا تو وہ اپنی اسی فریش مسکراہٹ اور تمام خوبصورتیوں کے ساتھ اس کے سامنے تھی جس سے وہ اس کا یہاں روز استقبال کرتی تھی۔ بلیو جینز، اور وائٹ ٹاپ میں وہ بہت سی نگاہوں کا مرکز تھی اور تقریباً ایک ماہ سے وہ باقاعدگی سے یہاں آتی تھی۔ بظاہر وہ اسے ادھر ادھر کی باتیں کرتی مگر اس کا انداز اور رویہ اتنا کھوجتا ہوا ہوتا کہ کئی بار تو بے اختیار وہ اس کی ذہانت اور ہوشیاری کی داد دینے پر مجبور ہو جاتا۔ اسے کبھی کبھی حیرت ہوتی تھی کہ وہ اتنی ویل آف فیملی سے تعلق رکھنے کے باوجود ایسے ملک دشمن عناصر کے ہتھے کیسے چڑھ گئی تھی۔ بہرحال جو بھی تھا وہ ہر طرح سے محتاط رہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ تو وہ کسی فلم کا ہیرو تھا اور نہ ہی کسی جاسوسی ڈائجسٹ کا کریکٹر کہ جاتا اور جا کر مشکوک افراد سے مار دھاڑ شروع کر دیتا۔ اسے ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ زینیا اور ریحان کو وہ سیکورٹی مہیا کر چکا تھا۔ گھر پہ بھی اس نے انتظام کر دیا تھا مگر ابھی تک وہ مکمل طور پہ مطمئن نہیں تھا۔ تابندہ سلمان سے جان چھڑا کر گھر پہنچا ہی تھا کہ دعا کی بلند چیخ پہ چونک گیا۔ صبح زرتاشہ نے اسے بتایا تھا کہ دعا کو بہت تیز بخار ہے اور وہ حسب عادت بھول گیا تھا۔ مگر اس کی چیخ پہ گھبرا کر باہر آیا۔ جہاں یہ گھبرائی ہوئی زرتاشہ دعا کو گود میں اٹھائے روئے جا رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ دعا کے ماتھے سے خون نکل رہا تھا اور وہ نیم بے ہوش اس کی بانہوں میں تھی۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''اسے کیا ہوا ہے؟''

''دعا کو تقریباً جھنجھوڑتے ہوئے اسے گھورا اور وہ اپنی نظروں میں کٹ کر رہ گئی۔ اس کی جتلاتی نگاہیں گویا اس سے پوچھ رہی تھیں کہ تم اپنی ذمہ داری کو سنبھال نہیں سکیں کیا اس لئے تمہیں اس گھر میں لایا گیا تھا۔۔''

UrduPhoto.com

''سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔ میں افنان کو ہوم ورک کرا رہی تھی اس لئے اس پہ توجہ نہیں دے سکی۔'' اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ ساری عمر بھی وار کر دے تو بھی ان نگاہوں میں سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ ایک لفظ ''سوتیلا'' اس کی ہر کاوش پہ پانی پھیر دے گی۔ عالیان کو دعا کو لے جاتے دیکھ کر دھندلی آنکھوں سے اس نے سوچا۔ جب تک وہ واپس نہیں آ گیا تو جلے پیر کی بلی کی مانند اندر باہر پھرتی رہی۔ وہ اپنے محسوسات بھی اس سخت دل شخص کو نہیں بتا سکے گی۔ افنان کو گود میں لئے وہ بے آواز روتی رہی اور وہ بیچارہ خاموش بیٹھا مما کو دیکھے گیا جو زیادہ تر روتی رہتی تھیں۔ دعا کے سر پہ بندھی سفید پٹی دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو کر ماں سے لپٹ گیا۔

''یہ میڈیسن ہیں جب یہ اٹھے تو دینا ہیں فی الحال اسے انجکشن دیا ہوا ہے۔'' بیڈ پہ آہستگی سے دعا کو لٹاتے ہوئے اس نے بتایا۔ زرتاشہ نے دیکھا اس کی شرٹ پہ دعا کے خون کے جا بجا دھبے تھے مگر وہ فکرمندی سے دعا کے چہرے پہ نظریں ٹکائے ہوئے تھے اور یہ بات تو ماننے والی تھی۔ اس پل کہ وہ چاہے جتنا بھی سخت اور لاپرواہ ہو جاتا مگر اولاد سے اس کی محبت بالکل نارمل باپ کی طرح تھی جس کا اظہار کرنا اسے نہیں آتا تھا۔ اس نے افنان کو گود سے اتارا اور آہستہ سے چلتی ہوئی دعا کے پاس آ گئی۔ معصوم چہرے پہ آنسوؤں کے نشان ثبت تھے اور تکلیف کی شدت ابھی بھی ظاہر تھی۔ وہ بے اختیار جھکی اور اس کے گالوں پہ بے تحاشہ پیار کر ڈالا۔ عالیان نے اسے جنونی پیار کرتے حیرت سے دیکھا۔ مگر وہ بنا کسی قسم کی بناوٹ کے بچی کے چہرے، آنکھیں چھو کر روئے جا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

''پھپھو آپ فارغ ہیں۔'' مہوش بیگم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''آج آپ گھر پہ ہیں ناں تو اس لئے میں آپ کے پاس آ گئی باتیں کرنے کے لئے۔'' ان کو وضاحت دیتے ہوئے وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میرے پاس باتوں کے لئے فضول وقت نہیں ہوتا۔'' ان کے کرخت جواب پہ اس کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔ وہ اپنے من کو مار کر، ان کی پچھلی تمام زیادتیوں کو بھلا کر صرف اماں کی نصیحت پہ ان کے پاس آئی تھی۔

''بیٹا برا کوئی نہیں ہوتا بس حالات ہمیں تلخی بخش دیتے ہیں۔'' اماں نے دھیمے لہجہ میں اسے سمجھایا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو تصویر کا روشن رخ دیکھنے کے قائل ہوتے ہیں۔

''آدھا گلاس خالی ہے سمجھنے کی بجائے آدھے بھرے گلاس کو دیکھتے ہیں اور وہ ان کے نقش قدم پہ چل کر دیکھنا چاہتی تھی۔''

''آپ کے سوٹ پہ ایمبرائیڈری بہت اچھی لگ رہی ہے۔'' اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری اور بات کرنے کے لئے بالکل ہی بودا جواز نکالا۔ حالانکہ کپڑے جیولری پہ اس کا نالج بالکل صفر تھا۔ پھپھو کے چہرے کے تاثرات ابھی بھی نہیں بدلے تھے۔

''دعا کی پٹی اتار دی ہے آج ڈاکٹر نے، ماشاء اللہ سے زخم بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔'' ایک اور کوشش کی اسی وقت صغراں نے دستک دے کر چائے کی ٹرالی اندر کی۔

''باجی عالیان بھائی کے پاس کچھ دوست آئے ہیں جی، تساں بتاؤ کیا دینا ہے۔''

''میں آتی ہوں۔'' چائے کی پیالی پھپھو کو پکڑا کر وہ ناامید سی باہر آ گئی۔ اسے کسی کا دل جیتنا نہیں آتا۔ اس سوچ نے اس میں یاسیت بھر دی تھی۔

''اور کیسے مسلمانوں پہ تباہی لائی جائے گی ہر طرف گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے ہیں لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ایک یہودی مر جائے تو دنیا میں کھلبلی مچا دی جاتی ہے۔ یہاں پہ روزانہ ہزاروں کے حساب سے دہشت گردی کے نام پہ مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے مگر تمام مسلم امہ خاموش ہے کیوں؟ کس لئے ہم اتنے کمزور ہو گئے ہیں۔'' چائے اندر بھجوا کر وہ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزر رہی تھی جب عالیان کی آواز پر ٹھٹھک گئی۔

''یہی مسلمان تھے جن کی فتوحات سے پوری تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔ جن کی بہادری کی وجہ صرف ایک تھی اور وہ تھی ان کا متحد ہونا۔ آج ہم لوگ دیکھتے ہیں ٹی وی پہ یا پھر سنتے ہیں کہ کشمیر میں اتنے مسلمان شہید ہو گئے۔ فلسطین پہ اسرائیل کے حملے سے کتنے معصوم شہری اپنی جان گنوا بیٹھے یا پھر لبنان پہ حالیہ اسرائیلی غاصبانہ قبضے کی کوشش میں تباہ کاریوں کی رپورٹ سب ہمارے سامنے آتی ہے مگر ہم گونگے بہرے ہو چکے ہیں ہم یہ سوچتے ہیں کہ ابھی آگ ہمارے پاس نہیں پہنچی۔ ہمارے گھر تو محفوظ ہیں پھر ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے دوسروں کی فکر میں خود کو دبلا کرنے کی۔ حالانکہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دینے سے خطرات ٹل نہیں جاتے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر مسلمان ملک میں یہ غیر ملکی ہاتھ چاہے دشمنی کے روپ میں ہو یا پھر دوستی کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہوں ہماری جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ خود ہمارا ملک کیسے روز بروز ان عناصر کے ہاتھوں بے بس ہوتا جا رہا ہے۔'' وہ ایک لمحہ کے لئے رکا تو زرتاشہ نے بھی اپنا سانس روک لیا۔ وہ کہیں باہر نہ آ جائے۔ اس خدشہ کے تحت ذرا سا آگے ہو کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ اسے سنتے رہنا چاہتی تھی۔ وہ کتنا اچھا بولتا تھا اور اس کی اچھائی اس کے چہرے پہ چمک بن کر اسے کتنا خوبصورت بنائے ہوئے تھی۔ اس نے اسے دل سے سراہا۔

''واقعی یہ بات تو ماننے والی ہے سر ہمارے قومی ہیرو تک کو قید کی تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ اگر ہم آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے ترقی سے خائف وہ لوگ ایسے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔'' عبدالجبار نے خالی کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے تائید کی۔

''یہی تو دکھ کی بات ہے کہ ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں۔ ملکی مفادات کی بجائے ذاتی پسند و ناپسند کو سامنے رکھا جاتا ہے۔'' عبدالجبار کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھے شخص نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ جس ملک میں رہتے ہیں اس کی جڑیں کاٹ کر خود کو کتنا غیر محفوظ کرتے جا رہے ہیں۔ جس ملک نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے اور جسے ہر بار ہم نے اپنا حق سمجھ کر وصول کیا ہے اس کو دینے کو وقت آتا ہے تو پیٹھ دکھا دیتے ہیں اور جو کوئی اس کی فلاح کے لئے کام کرنا چاہتے ہے تو اسے بربادی کے آخری دہانے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں آخر دہشت گردی کا دھبہ اکثر پاکستانیوں پہ کیوں لگتا ہے۔ نائن الیون کے بعد سے آج تک کتنے مسلمانوں کو اس سلسلے میں ٹاپ لسٹ پہ رکھا گیا ہے۔ کبھی امریکہ، برطانیہ یا کسی اور یہودی ملک کے باسی کا نام تو نہیں آیا۔ کیوں؟ اس لئے ناں کہ وہ بہت اسٹرونگ ہیں۔ ان پہ انگلی اٹھانے والوں کی انگلیاں ہی کاٹ دی جاتی ہیں۔ کیا وہاں کے رہنے والے انسان نہیں ہے۔ کیا وہ اپنے ذاتی مفادات کے لئے کسی ملک میں

UrduPhoto.com

بمباری یا دہشت گردی نہیں کروا سکتے؟ یہی عناصر ہوتے ہیں جو ہمارے ملک میں گھس کر ہمیں آپس میں لڑوا کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ اس وقت بھی مسلمان بدنام اور دوسری صورت میں بھی مسلمانوں کو آگے رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارا مذہب تو اتنا سچا اور مکمل ہے کہ سچے دل سے اسے ماننے والے کسی مسلمان ملک میں تو کیا، ٹریڈ سنٹر جیسی جگہ پہ بھی بے گناہ انسانوں کی تباہی کا کوئی منصوبہ نہیں بنا سکتے۔ ہمارے مذہب میں کہیں بھی نہتے لوگوں پہ حملہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر کیسے مسلمان دہشت گرد ہو سکتا ہے؟ یہ سازشیں بھی تو ہو سکتی ہیں جو اپنے ہی ممالک میں تشکیل دے کر پھر ان پہ عملی قدم بھی وہیں اٹھایا جاتا ہو۔ اینی ہاؤ بہت خراب حالات ہیں اب۔'' دکھ اور تاسف بھرے لہجے کو سن کر بالکل نہیں لگتا تھا کہ یہ شخص باطنی طور پہ اتنے اچھے احساسات کا مالک ہونے کے باوجود بعض اوقات ظاہری طور پہ کتنا سخت ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اب کسی دوسرے مسئلے میں الجھ گئے تھے۔ وہ گہرا سانس لے کر عالیان کو سوچتے ہوئے کمرے کی طرف چل دی۔

''میں نے بہت بڑی غلطی کی جو اس پہ اعتبار کر لیا۔'' وہ اپنی سرخ ناک کو رگڑتے ہوئے ایک بار پھر رو دی۔ زرتاشہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ پاس بیٹھا ریحان اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''بہت شوق تھا تمہیں دوستیاں نبھانے کا جب میں نے سمجھایا، بھائی نے وارن کیا تم پہ اس وقت اس کا دوستی کا بھوت سوار تھا کہ ہمیں اپنا دشمن سمجھ رہی تھیں۔'' ریحان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر اس کا گلا ہی دبا دیتا۔

''ریحان کیا ہو گیا ہے؟ غلطی تو ہر انسان سے ہو جاتی ہے۔'' زرتاشہ نے فہمائشی انداز میں روہا۔

''یہ غلطی نہیں ہوتی بھابھی، جانتے بوجھتے جو کام کیا جائے وہ ایڈونچر ہوتا ہے۔'' اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اسے اس طرح پہلی بار دیکھ رہی تھی اور آج وہ حقیقتاً عالیان کا بھائی لگ رہا تھا۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ وہ مجھے دھوکہ سے اس طرح ہوٹل میں لے جا کر ایسی فوٹوگرافس بنا لے گی جو۔'' باقی کے الفاظ مارے شرم اور دکھ کے وہ ادا نہیں کر پائی۔ زرتاشہ نے دیکھا تھا وہ بہت معصوم تھی۔ زمانے کی اونچ نیچ سے کسی حد تک ناواقف اس لئے تو تانیہ سلمان نے اس کی معصومیت سے فائدہ اٹھا کر نا صرف ایسے پوز میں تصاویر لے لیں تھیں کہ وہ شرمناک حد تک خراب تھی اور پھر عالیان کو باقاعدہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ وقار الدین کے کیس پہ کام کرنے باز نہ آیا تو وہ فوٹوگرافس نیوز پیپر میں بھجوا دی جائے گی۔ ان کی ایک کاپی عالیان کو اور دوسری ریحان کو بھی بائی ڈاک ملی تھیں۔ اس وقت سے ریحان کا غصہ سے برا حال تھا اور اس نے فون کر کے زرتاشہ کو بلوایا تھا۔ عالیان صبح سے گیا ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ آج اتوار تھا۔

''کول ڈاؤن ریحان وہ بیچاری خود بھی بہت ڈسٹرب ہے۔ ایسے بی ہیومت کرو۔''

''تو پھر کیا کروں بھابھی، خاندان کی عزت، ساکھ داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ مما تو پہلے ہی بہت خفا ہیں۔ کیسے عالیان بھائی سے کہوں کہ اپنے فرض سے کوتاہی کریں۔'' وہ ایک دم بہت تھکا اور پژمردہ سا دکھائی دینے لگا تھا۔ زینیا نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے دیکھا وہ کتنا بڑا ظلم کر گئی تھی اس سب پہ۔ اب یہ احساس شدت سے ستانے لگا تھا۔ بظاہر الٹرا ماڈرن اور اونچے خاندان کی دکھائی دیے جانے والی تانیہ سلمان اندر سے کتنی گھٹیا اور نیچ نکلی تھی اور اس کو کیا کہنا تھا اصل قصور وار تو وہ خود تھی، جو سب کے خبردار کرنے کے باوجود پرلے درجے کی احمق ثابت ہوئی تھی۔ ابھی نجانے عالیان کے کتنے غیظ و غضب کا سامنا کرنا تھا۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ آج تو ریحان سے بھی کسی مدد کی امید نہیں تھی۔ وہ انجانے میں اپنے پیارے اور محبوب شوہر کو بے پناہ اذیت کا باعث بن گئی تھی۔

''مما!'' اس وقت ارحم آس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو وہ اسے گلے سے لگا کر ایک بار پھر رو دی۔

''مما کیا ہوا؟'' افنان نے گھبرا کر اپنے مخصوص توتلے انداز میں پوچھا کسی کا بھی رونا اسے یونہی پریشان کر دیتا تھا۔

''کچھ نہیں جانو، چچی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی۔ اس پل سیل فون کی بیپ نے اس خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ وہ دونوں چونک کر ریحان کی طرف دیکھنے لگیں۔ جو دوسری طرف کی بات فکرمندی سے سر ہلاتے ہوئے سن رہا تھا۔

''جی بھائی میں ابھی کنفرم کرواتا ہوں سیٹ۔ نہیں مما کو کچھ نہیں پتا۔ امید ہے کل یا پرسوں تک ہی ممکن ہے میں تیاری کرتا ہوں ابھی۔'' دوسری طرف عالیان تھا یہ تو وہ جان گئی تھیں۔ مگر کیا کہہ رہا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا اور سیل فون آف کر کے باہر جاتا ہوا ریحان کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''میں کیا کروں زینی، سب خفا ہیں مجھ سے۔'' زرتاشہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تو وہ پھر بکھر گئی۔ اگلی صبح ریحان کی تیاری کا مطلب سمجھ آ گیا۔ وہ رات کو عالیان کے آنے کے بعد گھر واپس آ گئی تھی۔ عالیان نے زینیا کو کچھ نہیں کہا تھا۔ جانے دونوں بھائی سر جوڑے کون سے مذاکرات میں مصروف تھے البتہ ان کے چہروں سے پریشانی اور تشویش مترشح تھی۔ ریحان اور زینیا شام کی فلائیٹ سے کچھ دنوں کے لئے آسٹریلیا جا رہے تھے جہاں پہ ریحان کے آفس کی ایک برانچ بھی تھی اور بظاہر یہ بزنس ٹور ہی تھا مگر عالیان انہیں اس وقت تک منظر سے غائب کرنا چاہتا تھا جب تک سارا معاملہ سیٹ نہ ہو جاتا۔

''میرے لئے دعا کرنا۔'' ایئرپورٹ پہ زینیا نے اس سے کہا تھا۔ وہ محض سر ہلا کر اس کی سرخ، متورم آنکھیں دیکھ کر رہ گئی۔ ریحان کا خفا انداز دیکھ کر عالیان نے اسے سب کے سامنے سرزنش کی تھی۔

''ڈونٹ بی سلی۔ ایسی غلطی تم سے بھی ہو سکتی تھی ریحان۔'' زرتاشہ نے حیرانگی اپنے شوہر کی اعلاظرفی ملاحظہ کی، پھر زینیا کی طرف متوجہ ہو گئی جو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ ہاتھ ہلا کر دعا کی انگلی تھامے۔ افنان باپ کے پاس کھڑا تھا۔

''میں جانتا ہوں زینیا نے جو کچھ کیا وہ کافی حد تک بیوقوفی میں شمار ہوتا ہے مگر ریحان اوور ریکٹ کر رہا تھا اس لئے اسے سمجھانا ضروری تھا۔'' وہ اس کی اس وقت کی حیرانی بھانپ چکا تھا اس لئے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدگی سے خلاف عادت وضاحت کی۔ وہ کیا جواب دیتی نظریں گھما کر باہر دیکھنے لگی۔ اصل میں کل سے آج تک کے واقعات نے اسے بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں ہی الجھی ہوئی تھی۔

''مما کل تک واپس آ جائیں گی۔ ان سے اس واقعہ کا ذکر مت کیجئے گا۔'' گاڑی پورچ میں روکتے ہوئے اسے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی بچوں کو ساتھ لئے اندر آ گئی۔ پھپھو دو دن پہلے

UrduPhoto.com

کوئٹہ اپنی خالہ زاد بہن سے ملنے گئی ہوتی تھیں۔ اگر وہ یہاں ہوتیں بھی تو کیا فرق پڑنا تھا۔ انہوں نے صرف طعنے اور طنز کے تیز برسا کر مزید کلیجے چھلنی کرنا تھا۔

''عالیان خان! تمہیں یہ دشمن خاصی مہنگی پڑے گی۔'' اس عرصہ میں پہلی بار اس کی باقاعدہ ٹیلیفونک گفتگو تھی وقار الدین سے عالیان کے لبوں پہ اپراسرا مسکراہٹ پھیل گئی۔ گویا بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی آخر کار۔

''ایسا ہے سر وقار الدین اس دنیا میں دو قسم کے ہاتھ ہیں ایک بنانے والے اور دوسرے بگاڑنے والے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں کا بیلنس کبھی ڈسٹرب نہیں ہوا۔ اگر ایک بگاڑتا ہے تو دوسرا اسے سنوارنے کے لئے پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی اس ملک کی بنیادوں کو ہلانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ بھول جاتا ہے کہ یہ وطن تو بنایا ہی اس نعرہ اور بنیاد پہ گیا تھا۔ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' پھر کیسے ممکن ہے کہ کوئی اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے سرکا سکے۔ ہمارے ذاتی مفادات جو بھی ہیں مگر اس وطن کے لئے، اس مٹی کے لئے آپ کو ہر جگہ پہ مجھ جیسے ناچیز سے جان نثار ضرور ملیں گے۔ جو اس ملک کی طرف ایک غلط نگاہ بھی ڈالے گا وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔ امید ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کون بنانے والا اور کون تباہ کرنے والا ہے۔'' وہ آخر میں تلخ ہو گیا۔

''ہونہہ نئی نئی جوانی اور ملازمت کا جوش ایسے ہی سر چڑھتا ہے۔ بہت نقصان اٹھاؤ گے اور ملے گا تمہیں کیا اس کا ازالہ بھی نہیں کر سکو گے۔'' دھمکی دیتا لہجہ نفرت اور حقارت سے بھرپور تھا۔ اس نے فون کریڈل پر پٹخ دیا اور خود تھکا سا صوفے سے پشت لگا کر آنکھیں موند گیا۔

''کیا ہوا جان۔'' مما نے قریب آ کر اس کی پیشانی کو تشویش سے چھوا۔

''آئی ایم آل رائٹ مم آپ میرے پاس بیٹھیں۔'' اس نے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔ مارے درد کے سر پھٹا جا رہا تھا وہ کل سے کچھ بے چینی محسوس کر رہا تھا مگر آج جسم بھی گرم لگ رہا تھا۔

''تمہاری آنکھیں تو سرخ ہو رہی ہوں میرا خیال ہے ٹمپریچر ہے۔''

''اٹس او کے مما۔'' انہیں تسلی دلا کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''ریحان نہیں آیا۔ مجھے آئے ہوئے بھی دو دن ہو چکے ہیں۔'' بظاہر سرسری انداز اپنے اندر بے پناہ پیار اور فکر سمیٹے ہوا تھا وہ محسوس کر کے پھر مسکرا دیا۔ مما جتنی سخت بنتی تھیں اتنی تھیں نہیں۔

''جی وہ آسٹریلیا گیا ہے۔ آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر لائن ڈسٹرب ہونے کی وجہ سے بات نہیں کر سکا تھا جاتے ہوئے بھی آپ کے لئے فکر مند تھا۔'' وہ ہمیشہ سے ریحان اور مما کے درمیان پل کر کام دیتا رہا تھا۔ مما نے کچھ خفگی سے سر جھٹکا۔

''تم اٹھو یہاں سے مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' اس زبردستی اٹھایا۔ حالانکہ وہ عبدالجبار کی کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سیل فون خراب ہو گیا تھا اور وہ اتنی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا کہ اسے ٹھیک کرواتا یا پھر نیا ہی لے آتا۔

''تمہیں کم از کم اتنا دھیان تو رکھنا چاہیے کہ عالیان کب آیا اور کہاں ہے؟'' پلوشہ کا ابھی فون آیا تھا اس وقت وہ افنان کو ہوم ورک کروانے کے بعد اس کے ساتھ کمپیوٹر گیم کھیل رہی تھی کہ وشی آپا کے فون پہ اٹھ کر لاؤنج میں آئی۔ وہ اسے کل رات کھانے کی دعوت دے رہی تھیں۔ نئے گھر کی خوشی اور ساس کے اپنے پاس بہتر رویے میں واپسی پہ بہت پرسکون اور مطمئن تھیں۔ ان کے دیور کی شادی ہوئی تھی اور اس نے اپنی بیوی کی باتوں میں آ کر کافی بدتمیزی ماں سے کی تھی۔ جس پہ وہ شرمندہ سی اپنے بڑے بیٹے کے پاس رہنے آ گئی تھیں۔ وہ وشی آپا کی کھلکھلاہٹوں پہ دل سے خوش ہو رہی تھی۔ کتنے عرصہ بعد اس کی آپا کو سکون ملا تھا اور ابھی وہ بمشکل کریڈل پہ ریسیور رکھ کر ہٹی تھی کہ خطرناک تیوروں سمیت پھپھو اس کے سر پہ آن کھڑی ہوئیں۔

''وہ میری ذمہ داری کب رہا تھا؟ پھر وہ تو وہ ابھی کہاں گوارا کرتا تھا اس کی اپنی کمرے میں موجودگی کو جو وہ اس کے معمولات پہ نظر رکھتی۔'' شکوہ کرتی نگاہ پھپھو پہ ڈالی۔ وہ خود بھی تو ذمہ دار تھیں ان حالات کی۔ وہ اس ماحول سے بیزار ہو گئی۔ اس لئے بنا کوئی جواب دیئے ڈھیلے قدموں سے اسے کے کمرے کی طرف بڑھی۔ آج کی بیزاریت اور اضطرابی کیفیت نے اس کے مزاج پہ ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ اسی لئے پھپھو کی ہر کڑوی کسیلی بات کو نظر انداز کیے ہوئے تھی۔

''اوہ ایک سو چار بخار۔'' تھرمامیٹر پہ دیکھ کر وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ پھپھو نے فوراً ٹھنڈے پانی کی پٹیاں منگوا کر اسے کے سر پر رکھنا شروع کر دیں۔ زرتاشہ نے دیکھا اس کا چہرہ بے تحاشہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ بار بار خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیر رہا تھا۔ وہ دو تین بار اسے پانی پلا چکی تھی۔ ابھی ڈاکٹر ہو کر گیا تھا۔ پھپھو کا فون آ گیا تو وہ اسے پٹیوں کی ڈیوٹی دے کر باہر چلی گئیں وہ کچھ نروس سی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ سوائے اس ''نکاح'' کے وہ کبھی اس کے قریب نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے آج کی اس کی مدہوشی کی حالت میں بھی، اس کے پاس ہونے سے وہ گھبرا رہی تھی۔

لرزتے ہاتھوں سے ماتھے پہ پٹی رکھی اور ایک بار پھر غور سے ان تیکھے مغرور نقوش کو دیکھا جہاں پہ عام دنوں والی سختی کی جگہ معصومیت اور نرمی کا تاثر بہت نمایاں تھی۔ کتنی لمبی پلکیں ہیں عالیان کی۔ اس کی دوست سمیرا ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ جن کی پلکیں اور آنکھیں بڑی ہوں وہ بہت سادہ دل اور باوفا ہوتے ہیں۔ عالیان نے ادھر ادھر سر پٹخا وہ سخت بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ٹمپریچر پھر چیک کیا۔ جو ایک بار کم ہو کر دوبارہ پہلی پوزیشن پہ چلا گیا تھا۔ وہ کچھ پریشان سی دوبارہ پٹیاں رکھنے لگی۔

''مما نیند آ رہی ہے۔'' افنان آنکھیں ملتا ہوا اندر آیا۔

''جی میں آتی ہوں بیٹا۔'' نم لہجے پہ قابو پا کر ہولے سے کہا۔ وہ باپ کو اس طرح بے سدھ پڑا دیکھ کر بیڈ کے قریب آ گیا۔

''دعا کہاں ہے افنان۔''

''وہ رو رہی ہے میں نے اسے مارا تھا۔'' اس نے کچھ فخر سے اپنا کارنامہ بتایا۔

''کیوں؟''

''اس نے میری گاڑی توڑی تھی ناں۔'' لاپروائی سے جواب دے کر دوبارہ عالیان کی طرف متوجہ ہوا۔

''مما، بابا جانی کو کیا ہوا؟''

''انہیں بخار ہے جانو، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہ انہیں ٹھیک کر دے۔''

اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔ اس شخص کے لئے وہ کتنی پوزیسو ہو گئی تھی کہ اس طرح اس کا بیمار ہو جانا بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اس کی زندگی میں زرتاشہ نامی لڑکی کی شاید کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

''باجی۔'' باہر سے صغراں کی پکار اور دعا کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر

UrduPhoto.com

دیکھا وہ اسی طرح بے چین تھا۔

''افنان دادو کہاں ہیں؟'' وہ اب بیڈ پر چڑھ کر بیٹھا عالیان کے چہرے پہ آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''پتا نہیں۔'' اپنے شغل میں مصروف جواب دیا تو وہ کچھ سوچ کر باہر آ گئی۔ روتی ہوئی دعا کو صغراں سے پکڑتے ہوئے پھپھو کا پوچھا۔

''وہ ابھی کہیں گئی ہیں کہہ رہی تھیں کہ کچھ دیر ہو جائے گا اس لے آپ عالیان بھائی کا خیال رکھیے گا۔'' اس محبت پہ وہ استہزائیہ سانس بھر کر رہ گئی۔ کچن میں آ کر پہلے فیڈر تیار کر کے دعا کو پلایا کیونکہ وہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ سے کچھ نہیں لیتی تھی۔ اسے صغراں کے پاس بٹھا کر اس کا ارادہ عالیان کے لئے سوپ بنانے کا تھا۔ پہلے اس کے کمرے میں جھانک کر اس کی طبیعت کا اندازہ کرنا چاہا مگر وہاں کا منظر خوشگواریت بھرا حیران کن تھا۔ افنان جو عالیان کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا اب اس کے چہرے اور ماتھے پہ پیار کر رہا تھا۔ معصومانہ محبت بھرا اظہار بے اختیار اس کی آنکھیں بھگو گیا۔ عالیان جتنا بھی سخت اور غصہ والا بن جاتا مگر اپنے اور بچے کے درمیان جو رشتہ اللہ نے بنا دیا تھا وہ کسی بھی برے سے برے رویے سے ختم ہونے والا نہیں تھا اور یہ تعلق صرف محبت کا محتاج تھا جو کسی بھی لمحہ بیدار ہو کر یونہی گنگناتے ہوئے اپنا بنا لیتی ہے۔ افنان کی بے ساختگی نے اسے آج بہت مطمئن کر دیا تھا۔ اس کی باپ سے دوری بھی کبھی اسے کافی پریشان کر کے اسے ماضی میں دھکیل دیتی تھی اس لئے اکثر و بیشتر عالیان کی محبت اور پیار کے من گھڑت قصے سنا کر افنان کا دل صاف کرنے کی کوشش میں لگی رہتی اور آج افنان کی توجہ نے اس کی کوشش کی کامیابی کا اسے یقین دلا دیا تھا۔ مسکراتے ہوئے وہ کچن میں آ کر اس کے لئے سوپ تیار کرنے لگی۔ بمشکل ہزار ہا منتوں سے عالیان کو سوپ پلا کر بچوں کو سلایا اور پھر کمرے میں آ گئی۔

''اوہ ٹمپریچر تو پھر ہو گیا۔'' اس کی تپتی پیشانی سے پریشان ہو کر دوبارہ ٹھنڈا پانی لا کر پٹیاں کرنے لگی اور یونہی اس کے ماتھے پہ جھکے ہوئے گیلے بالوں کو ہٹاتے ہوئے دل کی انہونی خواہش پہ دھک سے رہ گئی۔ گھبراہٹ جو پہلے کم ہو گئی تھی ایک بار پھر بڑھنے لگی تھی۔ نظریں چرا کر پٹی کو بھگو کر دوبارہ رکھنا چاہا مگر دل کا کیا کرتی پھر افنان ہی کے انداز میں اپنے لرزتے ہونٹ اس جلتی پیشانی پر رکھ دیئے اور یہ وہ لمحہ تھا جب عالیان خان نے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اپنی پیش قدمی اور اس کی قربت پہ دھڑ دھڑ کرتے دل سمیت پیچھے ہٹی۔ وہ بنا کسی تاثر کے اسے دیکھتا رہا بخار کی شدت نے ابھی تک اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اس لئے وہ سپاٹ نظروں سے دیکھ کر دوبارہ آنکھیں موند گیا۔ کیا ضرورت تھی اس قدر بے اختیاری کی کیا سوچتا جو اگر وہ اپنے حواس میں ہوتا تو خود کو سرزنش کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''باجی! کسی عبدالجبار کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ میں عالیان بھائی سے ملنے کے لئے گھر آ رہا ہوں۔'' افنان کو ناشتہ کروا کر اس کا لنچ باکس تیار کر رہی تھی۔ جب شامی نے اطلاع دی۔

''جب وہ آئیں تو عالیان کے کمرے میں بھیج دینا انہیں۔''

دعا کو بے بی چیئر پہ ڈسٹرب دیکھ کر اسے سامنے کچھ کھلونے رکھے تھے اور افنان کو بیگ سمیت پکڑ کر پورچ میں لاتے ہوئے شامی کو ہدایت کی ابھی اسے عالیان کا ناشتہ بھی تیار کرنا تھا۔

''مما اللہ حافظ۔'' اس کے گال پر کس کر کے افنان گاڑی میں بیٹھا تو وہ اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے اندر آ گئی۔

''شامی! دیکھو تو عالیان اٹھ گئے ہیں۔'' شامی کو بھیج کر جلدی جلدی چائے بنانے لگی اور دوسرے چولہے پہ انڈہ فرائی کرنے لگی۔ پھپھو دیر سے ناشتہ کرتی تھیں۔ اس وقت تک وہ کچن کا کافی کام نمٹا لیتی تھی۔

''جی باجی وہ جاگ گئے ہیں۔'' شامی کی اطلاع پہ سر ہلاتے ہوئے ناشتہ کی ٹرے لے کر اس کے کمرے کی طرف بڑھی اپنی رات کی حرکت پہ ابھی تک وہ خود سے خفا تھی۔ ایک نہ معلوم سی جھجک نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ خود کو کمپوز کرتے ہوئے آہستگی سے ناک کر کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بیڈ پہ بیٹھا اپنے گیلے بال رگڑ رہا تھا۔ شاید ابھی نہلا کر نکلا تھا۔ سردیوں کے بخار میں اس طرح نہانا اس کے لئے ٹھیک نہیں تھا لیکن اسے کچھ کہنا عبث ہی تھا۔ اس لئے صرف سوچتی ہوئی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اسے بلانے کے لئے پلٹی تو اسے بغور اپنی طرف دیکھتا پایا۔ بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے چہرے پہ اگرچہ کل کی نسبت فریشنس نہیں تھی مگر بخار کی پاپا ہٹ مکمل طور پہ ختم نہیں ہوئی تھی۔

''ناشتہ کر لیں۔'' مدھم آواز میں نظریں جھکائے اس نے کہا۔

''سنو۔'' جونہی باہر جانے کے لئے وہ مڑی تو اس کی آواز پہ نہ صرف قدم تھم گئے بلکہ دل بھی ایک لمحہ کے لئے بند ہوتا محسوس ہوا۔ شاید وہ اس کی کل کی حرکت کے متعلق باز پرس کرے گا۔ یقیناً سخت غصہ میں ہو گا۔ آخر جس لڑکی کو اس نے اپنی زندگی میں کوئی جگہ نہیں دی تھی۔ وہ اس کے لئے محض بچوں کی آیا تھی، جسے وہ چند لمحے دان کر کے شاید بھول بھی گیا تھا۔ اس کی اتنی بڑی جرأت کو کیسے برداشت کر جاتا۔

''میرے کپڑے نکال دو۔ آفس جانا ہے مجھے۔''

کوئی اور لمحہ ہوتا تو ''کپڑے نکالنے'' کی عنایت پہ یقیناً خوش ہوتی کہ وہ اپنے ذاتی کام کے لئے کبھی اسے بلانا پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر اس وقت تو اس کی صحت پہ متفکر ہو کر اس کی طرف کچھ کہنے نہ کہنے کی حالت میں کھڑی رہ گئی۔

''اینی پرابلم؟'' چائے کا کپ اپنی طرف کرتے ہوئے اسے بدستور کھڑے دیکھ کر حیرانگی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' گہری سانس لے کر اسے کچھ نہیں کہنے کا ارادہ ترک کر کے وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔

''عبدالجبار صاحب آئے ہیں۔'' دروازے پہ دستک دے کر ملازم نے اطلاع دی۔ وہ چونکہ کپڑے نکال چکی تھی اس لئے عالیان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر باہر کی طرف چل دی۔

''وہاٹ۔'' وہ اپنی کرسی پہ بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دماغ کی شریانیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ کتنے پل تک نجانے دکھ کی زیادتی سے یا پھر حیرانگی کے باعث بول ہی نہیں سکا۔ ابھی اسے گھر سے نکلے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے تھوڑی دیر پہلے ہی ریحان سے بات ہوئی تھی اس کی۔ وہ اس سے یہاں کے حالات پوچھ رہا تھا، اسے کچھ دنوں تک مزید ٹھہرنے کا کہہ کر زینیا سے بھی بات کی تھی۔ وہ بھی خاصی خوفزدہ اور پریشان تھی۔ ریحان کی خفگی ابھی تک اس سے برقرار تھی۔ اس شکایت پہ اس نے ریحان کی خوب کھنچائی کی تھی اسے ریحان سے بہت محبت تھی تو زینیا اس کے حوالے سے بہت عزیز تھی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''اس کی کوئی بہن نہیں تھی لیکن اگر کوئی ہوتی تو وہ ضرور اس سے اتنا ہی پیار کرتا جتنا زینیا سے کرتا تھا اور وہ بھی تو بھائی کا مان اسے دیئے ہوئے تھی۔ عالیان جتنا دوسروں کے لئے بدمزاج اور اکھڑ تھا اس کے لئے اتنا ہی سوفٹ اور دھیما ہو جاتا تھا۔''

''فکر مت کرو بیٹا، میں جلد ہی اس معاملے کو ہینڈل کر لوں گا۔'' زینیا کو تسلی دے کر اس نے فون بند کیا تھا اور اب مما کے اس فون نے اس کی ہوش و حواس گم کر دیئے تھے۔ اسے یاد آیا کہ صبح آتے ہوئے زرتاشہ نے دبے لفظوں میں اس سے آج چھٹی کرنے کو کہا تھا اور وہ عادت کے مطابق ''میرے معاملات میں انٹرفیئر مت کرا کریں'' کہہ کر اسے جھڑک چکا تھا۔ آج کی شام کی پلوشہ کی طرف دعوت کا بھی وہ اسے بتا چکی تھی اور اب...... وہ سر تھام کر خود پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

''زری کو ڈرائیور کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اور میں اب جا رہی ہوں۔'' مما نے اسے بتایا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ صبح جب سب گھر والے گھر میں موجود تھے اس وقت ایک شخص کی آمد، کاشف سے ملنا اور پھر اس کے ساتھ وہ اندر چلا گیا اور جب وہ شخص گھر سے نکلا تو اس کے صرف آدھ گھنٹہ بعد گھر شعلوں میں گھر گیا۔ جس کی زد میں آ کر پلوشہ، کاشف بچوں سمیت جل کر راکھ ہو گئے اور کاشف کی امی جو بے حد جل گئی تھیں مگر کچھ سانسیں باقی تھیں جو ہسپتال پہنچ کر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں واقعہ بتا کر زندگی سے ناطہ توڑ گئی تھیں۔ وہ کون سا شخص تھا اور اس نے کون سی دشمنی نبھائی تھی کاشف سے۔ اس کا پتا کیسے چلتا۔ آخر وہ نامعلوم شخص چاہتا کیا تھا؟ وہ سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم تھا۔ آج سوئم تھا اور ابھی تک ان سب کی موت معمہ بنی ہوئی تھی۔

''عالیان بھائی یہ دعا کسی سے چپ نہیں ہو رہی۔'' درشہوار روتی ہوئی دعا کو سنبھالے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''آپی اماں کو ہاسپٹل لے کر گئی ہیں۔ ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ اس کے سر اٹھانے پہ، استفہامیہ نظروں کے جواب میں اس نے وضاحت کی۔ افنان مما کے ساتھ گھر گیا تھا۔ مگر وہ بھی کچھ دیر پہلے ضد کر کے زرتاشہ کے پاس دوبارہ آ چکا تھا۔ اب نجانے کہاں تھا وہ دعا کو خاموش کروانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے افنان کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ چونکہ دعا اس کی گود سے آشنا نہیں تھی اور پھر اسے سنبھالنے کا طریقہ بھی تو نہ آتا تھا۔ اس لئے اس کے اناڑی پن میں پکڑے جانے پہ وہ مزید مچل کر رو رہی تھی۔''

''افنان۔'' جونہی دو تین بچوں کے ساتھ اندر جاتا افنان نظر آیا تو اسے قدرے اونچی آواز میں پکارا۔

''جی بابا جانی۔'' کتنا سعادت مند دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''مما آ گئی ہیں؟''

''جی وہ نانی ماں پاس ہیں۔'' وہ بتا کر اندر بھاگ گیا۔ اسی وقت اسے سرخ آنکھوں اور قدرے بکھرے حلیہ میں زرتاشہ آتی دکھائی دی۔

''لائیں اسے مجھے دے دیں۔'' ستے ہوئے چہرے اور آواز کے بھاری پن میں دکھ کی آمیزش نمایاں تھی۔ عالیان نے گہری نظر اس پہ ڈالتے ہوئے میکانیکی انداز میں دعا کو اس کی طرف بڑھا دیا اور اس کے ساتھ چلتا ہوا اماں کے پاس آ گیا۔

''ہاؤ از شی ناؤ؟'' اماں دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھیں اس لئے پلٹ کر دعا کو فیڈر پلاتی زرتاشہ سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس وقت سیل فون کی بیپ پہ وہ باہر آ گیا۔

''سر! تحقیقات کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کاشف صاحب کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ یہ کسی تربیت یافتہ شخص کا کام ہے اور اس کے پیچھے کوئی بڑا ہاتھ ہے۔ میرا خیال ہے سر کہ......'' عبدالجبار کی رپورٹ پہ ایک دم اس کے دماغ میں جھماکا ہوا اور اس کی پیشانی پہ سوچ کی لہر گہری ہو گئی۔

''عالیان خان! ایسی جگہ سے نقصان اٹھاؤ گے کہ باوجود کوشش کے سراغ نہیں پا سکو گے۔'' دھمکی آمیز لہجہ اردگرد گونجا۔ تو کڑیوں سے کڑیاں ملتی چلی گئیں۔

''تابندہ سلمان۔'' بے ساختہ عبدالجبار کی بات کے درمیان وہ بول پڑا تو دوسری طرف وہ بھی ایک لمحے کے لئے چپ ہو گیا۔ عبدالجبار سے بات کرنے کے بعد وہ زرتاشہ کو بتا کر کچھ دیر کے بعد عاطف شاہ کے سامنے بیٹھا تھا۔

''وش یو بیسٹ آف لک عالیان۔'' نجانے کیوں ایک پل کے لئے ان کی آنکھیں بھی نم سی ہو گئی تھیں۔ حالانکہ اتنے سال اس سروس میں گزار دیئے تھے مگر اس لڑکے میں کچھ ایسا تھا جو لالہ عاطف کے بعد ان کے گرد بھی اپنی کشش کا حصار باندھ کر انہیں بے بس کر چکا تھا۔ شاید اس کی حد سے زیادہ حب الوطنی اور سچائی انہوں نے نظر اٹھا کر اس کے پرعزم چہرے کو دیکھا اور اس کے اجازت مانگنے پہ سر ہلا کر دانستہ فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں ایک دو دن کے لئے کام کے سلسلے میں باہر جا رہا ہوں۔ بچوں کو باہر لے کر مت نکلنا اور پلیز ہو سکے تو افنان کو اسکول سے رحیم بخش کے ساتھ جا کر خود لایا کیجئے گا۔'' عجلت میں باہر نکلتے ہوئے وہ اسے کہہ رہا تھا۔ زرتاشہ نے چونک کر اس حکم کا سبب جاننا چاہا مگر وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور اس سے پوچھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ آج وہ دس کے بعد گھر آئی تھی اور بقول صغراں تین چار دن سے عالیان غائب تھا۔ کل واپس آیا تھا اور آج جا رہا تھا۔

''جلدی آ جائیے گا۔'' غیر ارادی طور پہ منہ سے نکلا تھا۔ دل کا دھڑکنا بے سبب نہیں لگ رہا تھا۔ کیپ اٹھاتے ہوئے عالیان نے چونک کر اسے دیکھا اور مضبوط قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ وہ سر جھکانے کے باوجود اس کی جانچتی، گہری نظریں اپنے وجود پہ محسوس کر سکتی تھی۔ جب خاموشی طول پکڑ گئی تو وہ سر اٹھا کر دیکھنے پہ مجبور ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آتے تھے لیکن دوسرے پل ہی بے تاثر انداز پھر ابھر آیا تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر اسی خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔

''شاہ جنات۔'' زیر لب ایک بار پھر دہرا کر وہ مسکرا دی۔ کبھی عالیان کے سخت رویہ پہ غصہ میں آ کر وہ اکثر اسے اس لقب سے دل میں نوازتی تھی۔ اب بھی اس مغرور شخص کی تند مزاجی اور روڈ رویہ کا خیال آیا تو وہ بھولا بسرا نام ذہن میں گونج کر رہ گیا۔

''مما یہ کیا لکھا ہے؟'' افنان کی خفگی بھری آواز پہ چونک کر پہلے اسے اور پھر اس کی نوٹ بک کو دیکھا۔ اسے ہوم ورک کرواتے ہوئے۔ جانے کن سوچوں میں کھوئی تھی کہ لاشعوری طور پہ جگہ جگہ ''شاہ جنات'' لکھتی چلی گئی تھی۔ اب جو لکھا دیکھا تو پہلے حیرت نے اور پھر ہنسی نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا۔ افنان پنسل منہ میں دبائے حیران سا اسے پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اس نام کے نیچے

UrduPhoto.com

کارٹون بھی بنا رہی تھی۔

"یہ آپ کے بابا جانی جیسا ہے ناں۔" تبسم لہجہ میں دریافت کیا وہ نفی میں سر ہلا گیا۔

"یہ تو پوپائے کا بوتس ہے مما۔" سادگی اور متانت سے دیا جانے والا جواب اسے پھر ہنسنے پہ مجبور کر گیا۔

"ہاں تو آپ کے بابا ہی ہوئے ناں یہ۔" وہ ابھی تک اس کارٹون کو دیکھ کر محظوظ ہوئے جا رہی تھی۔ ساتھ ہی تصور میں اس کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھی جو اس تصویر کو دیکھ کر بنتا۔

"اوہ، عالیان خان! تم نے بہت بے بس کیا ہے مجھے۔" گہری سانس لے کر خود کلامی کی۔

"صحیح کہتی تھیں سدرہ تمہیں دلوں کو اسیر کرنا آتا ہے۔ مجھے آذر کی محبت سے کیسے آزاد کروا کر اپنی چاہت میں باندھ لیا اور خود ابھی بھی بے نیاز ہو۔" افنان اس کی عجیب حرکتوں سے بیزار ہو کر دوبارہ نوٹ بک پہ جھک گیا تھا۔ اس نے انگلیوں پہ حساب لگایا۔ عالیان کو گئے ہوئے آج چوتھا دن تھا اور اس کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے؟ وشی آپا، کاشف بھائی وغیرہ کو گئے ہوئے بھی تو پندرہ دن ہو گئے تھے۔ اس کی ذہنی رو اسی دکھ کی طرف مڑ گئی جس نے ان کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ عالیان کی تلقین کے باوجود وہ دن کا کچھ حصہ اماں کے ساتھ ضرور گزار کر آتی تھی۔ وہ دونوں ہی صدیوں کے مریض نظر آنے لگے تھے۔ ان دنوں جوان بیٹی اور داماد کے ساتھ نواسوں کا دکھ انہیں چاٹتا جا رہا تھا۔ ابا تو برملا اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے رو پڑے تھے۔ واقعی انسان جوانی میں ہر قسم کی غلطی کو بھی اپنے لئے جائز گردانتا ہے۔ لیکن بڑھاپا وقت کے ایسے پچھتاوے دیتا ہے جو چاہ کر بھی انسان واپس نہیں لا سکتا۔ پھپھو اپنے کمرے سے باہر آ رہی تھیں۔ آج کل وہ کم کم ہی باہر نکلتی تھیں۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ دانستہ افنان کی نوٹ بک پہ اپنی توجہ مبذول کرنے لگی تھی۔ کسی بھی قسم کی منہ ماری کا اس کا ارادہ نہیں تھا۔ یہ گھریلو سیاست اسے حد سے زیادہ بیزار کرنے لگی تھی۔ ابا اور اماں کی ساری زندگی بھی تو اسی سازش اور تناؤ کا شکار رہی تھی۔

"عالیان کا فون آیا؟" بنا اسے مخاطب کیے وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" اسے بھلا وہ کب اتنی اہمیت دیتا تھا کہ اس سے ٹیلیفونک رابطہ، نمکین پانی کو اپنے حلق سے اندر اتارتے ہوئے اس نے سوچا۔

"اور ریحان کا۔" ان کی آواز کپکپائی تھی۔ وہ بے اختیار سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ ہمیشہ والے کروفرانہ انداز کے مقابلے میں وہ خاص مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔ نخوت بھرا لہجہ بھی دھیما تھا۔ آخر کب تک اپنے خون سے بے نیازی برت سکتی تھیں۔ عالیان نے ریحان کو فی الحال پاکستان فون نہ کرنے کا کہا تھا۔ اس کے پیچھے کیا وجہ تھی وہ بہتر جانتا تھا۔ مگر ایک ماں کی ممتا ضرور بے تاب ہو گئی تھی۔ وہ تو اپنے بیٹے کی اتنی سی دوری برداشت نہیں کر پائی تھیں۔ بھلا ساری عمر کیسے اسے اپنے سے دور رکھتیں۔ یقیناً کوئی سائیکالوجیکل پرابلم تھا پھپھو کے ساتھ ورنہ عام نارمل انسان کبھی بھی اپنے سے وابستہ رشتوں سے ایسے تعلق نہیں توڑ سکتا۔ اسے ان پر ترس آنے لگا۔ اس لئے انہیں تسلی دینے کے لئے مناسب الفاظ سوچنے لگی۔ وہ بظاہر اپنے آپ کو مضبوط شو کرتی ہوئیں سامنے والے صوفے پہ بیٹھی میگزین دیکھنے لگی تھیں مگر بے چینی ان کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔

"پھپھو، ریحان کا فون آیا تھا۔" رک کر ان کے چہرے کو دیکھا اور اپنے جھوٹ کو مزید سہارا دینے کے لئے کہنے لگی۔

"وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر آپ مسز خاکوانی کے ساتھ گئی ہوئی تھیں صبح۔" وہ اس وقت بھول گئی تھی کہ مقابل موجود عورت اس کی زندگی کو کتنے نقصانات سے دوچار کر چکی ہے ابا کا ساری عمر کا اہانت آمیز رویہ، ان کی محرومیاں، آذر سے اس کی دوری اور اب عالیان کا بے نیازانہ رویہ۔ سب اسی عورت کا عطا کیا جانے والا تحفہ تھا۔ اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ اماں کی بیٹی ہے اس عورت کی بیٹی جس نے ساری عمر نہ صرف خود صبر کیا بلکہ ان کی تربیت میں بھی اس کو شامل کیا تھا۔ اسی لئے تو وہ سب کچھ بھلا کے صرف ایک ماں کو دل کا سکون اور تسلی دینا چاہتی تھی۔

"وہ مجھے سیل فون پر کال کر لیتا۔" انہوں نے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹی۔ یہ تو وہ بھول ہی گئی کہ وہ یہ بھی سوال اٹھا سکتی ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی کہانی گھڑتی، ثمینہ کارڈلیس اٹھائے آ گئی۔

"بڑی بی بی جی آپ کا فون ہے۔" انہیں کارڈلیس تھما کر وہ مڑ گئی تو وہ بھی افنان کا بیگ پیک کر کے اس کی انگلی تھامے باہر نکلنے لگی تھی کہ ان کی لرزتی آواز پہ دھڑکتے دل کے ساتھ پیچھے پلٹی تھی۔ ٹانگوں نے مزید بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا تھا۔

"کس ہاسپٹل میں ہے۔" زرتاشہ کا دل چاہا کہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر ہر آواز سے ناطہ توڑ لے۔

"زرتاشہ، عالیان......" وہ تقریباً بے ہوش ہوتے ہوئے یہی کہہ پائی تھیں۔

"ک...... کک...... کیا ہوا پھپھو۔" افنان انہیں پکار رہا تھا، دعا کے رونے کی آواز بھی آ رہی تھی مگر ہر ایک چیز پس منظر میں چلی گئی۔ وہ پریشان چہرے سے صرف ان کے نڈھال وجود کو دیکھ رہی تھی۔ کسی بھی انہونی کے ہونے کا احساس اتنا طاقتور تھا کہ وہ سب سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

"پھپھو پلیز بتائیں ناں کیا ہوا۔" بمشکل اپنے وجود کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھ کر رو پڑی۔

"وہ...... وہ...... جا رہا ہے اسے روک لو...... میں کیسے رہوں گی اس کے بنا۔" وہ بے ربط سے فقرے بول رہی تھیں اور اس کا دل مسلسل کانپے جا رہا تھا۔

"میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ مگر وہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ اس میں ایسا کیا ہے جو وہ محبت کروانا جانتا ہے۔" سرگوشی میں بولتے ہوئے ان کی ذہنی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ شاید اپنے حواسوں میں نہیں تھیں۔ زرتاشہ نے بے بسی اور مضطربانہ ان کی طرف دیکھا۔ یہ تو وہ جان چکی تھی کہ عالیان کے متعلق کوئی اچھی خبر نہیں ہے مگر اس خبر کی نوعیت کیا تھی؟ یہ وہ کیسے جانتی۔

"ثمینہ، صغراں۔" ایک خیال کے اس نے دونوں کو پکارا نظریں ابھی بھی پھپھو پہ جمی ہوئی تھیں جو مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ان کو پانی پلایا اور جھک کر ان کے گال تھپتھپانے لگی۔

"جی باجی۔" دعا کو چپ کرواتے ہوئے صغراں کمرے سے برآمد ہوئی تو وہ سیدھی ہو کر اس سے پوچھنے لگی۔

"کس کا فون تھا ابھی۔"

"ثمینہ نے سنا تھا۔ کوئی عاطف صاحب تھے۔" وہ بھی اس کی اور پھپھو کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"تم پھپھو کو دیکھو، دعا کو ثمینہ سنبھال لے گی۔" اسے ہدایت دے کر وہ خود کو مضبوط کرتی ہوئی فون کی طرف متوجہ ہو گئی اور دوسری طرف عاطف شاہ نے اگرچہ خاصے نارمل انداز میں

UrduPhoto.com

اسے بتایا تھا کہ

"جس کیس پہ اتنے عرصے سے عالیان کام کر رہا تھا اسی کے سلسلے میں ریڈ کے دوران اگرچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا مگر مخبری ہونے کی وجہ سے مخالفین نے اس پہ اندھا دھند فائر کھول دیا تھا۔ جس کی وجہ سے انسپکٹر عبدالجبار شہید ہو گیا تھا اور وہ زخمی حالت کے باوجود ڈٹا رہا۔ اس لئے۔" وہ دانستہ یا نادانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ گئے تھے۔ زرتاشہ نے سائیں سائیں کرتے دماغ سمیت ہاسپٹل کا نام سنا تھا۔ ڈرائیور کو بلا کر صغراں اور ثمینہ کی مدد سے پھپھو کو گاڑی میں ڈالا۔ بچوں کو لے کر خود بھی گاڑی میں آ بیٹھی۔

"تم دعا ضرور کرنا۔" نجانے اس میں اتنی ہمت اور حوصلہ کہاں سے آ گیا تھا۔ جو با ہوش و حواس سب کچھ کرنے کے بعد صغراں اور ثمینہ سے نم آواز میں کہہ رہی تھی۔ ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تیز چلتی ہوئی گاڑی اسے رینگتی محسوس ہو رہی تھی اس لئے رحیم بخش کو تیز چلانے کا کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس کی متاع حیات لٹنے کو تھی۔ وہ شخص جس کے بنا ایک سانس بھی بھاری لگتا تھا اگر اسے کچھ ہو گیا تو کیا وہ جی پائے گی۔ ہاسپٹل کے ٹھنڈے کاریڈور میں سوئی ہوئی دعا کو گود میں ڈالے، افنان کے بالوں پہ سر ٹکائے وہ صرف اس لمحہ اس شخص کو سوچ رہی تھی۔ رحیم بخش اور شامی بھی افسردہ سے پاس کھڑے تھے۔ عاطف شاہ ابھی ڈاکٹر کے پاس گئے تھے جس نے انہیں کوئی تسلی نہیں دلائی تھی۔ پھپھو کو ٹریٹ منٹ کے بعد ٹرینکولائزر دے دی گئی تھیں۔ اپنے کولیگ سے بات کرتے ہوئے وارڈ سے نکلتے سرجن تابش رحمان نے ٹھٹھک کر کتنے پل اس خوبصورت اداس لڑکی کو دیکھا۔ جو ماحول سے بیگانہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔

"بی بی جی دعا کو مجھ پکڑا دیں۔" رحیم بخش نے بڑھ کر اس کی گود سے دعا کو لینا چاہا۔

"نہیں رحیم بخش۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"عالیان نے انہیں میرے حوالے کیا ہے۔ اور انہیں مجھے ہی سنبھالنا ہے۔" اس کی آنکھوں میں بے تحاشہ پانی جمع ہو گیا تھا۔ جسے وہ روکے ہوئے تھے، افنان نے ایک بار سر اٹھا کر ماں کو دیکھا اور پھر اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ ہاسپٹل کا اداس، سنسان ماحول اسے بھی خوفزدہ کیے ہوئے تھا، تابش نے بے اختیار اپنے قدم اس کونے کی طرف بڑھا دیئے۔

"زرتاشہ۔" فائزہ عاطف کی آواز پہ اس نے وحشت زدہ نظریں اوپر اٹھائیں ان کے پیچھے نڈھال سے ابا، اماں اور درشہوار کھڑے تھے۔ عاطف شاہ ابھی کمرے سے باہر آئے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ دوسرے پولیس آفیسر بھی تھے۔ ہر چہرہ مایوسی اور نا امیدی کے تاثرات لئے ہوا تھا۔ ابا اور اماں کے گلے سے لگ کر وہ اپنی چیخوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ مگر یہ نمکین پانی تو صرف سہارے کا منتظر ہوتا ہے۔

"میں نے کہا تھا ناں۔ اس کی بہت کیئر کرنا۔ وہ بہت لاپروا ہے خود سے۔" فائزہ غم ناک آنکھوں سے اسے کہہ رہی تھیں۔

"ہاں واقعی وہ بہت کیئرلیس ہے۔ اپنی ذات سمیت اپنی بچوں اور بیوی تک سے بے نیاز تو وہ کیسے اسے سنبھالتی۔" سر اوپر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا کتنے قطرے نکل کر گالوں پہ بکھر گئے۔

"اللہ تعالیٰ نے بنا مقصد کے تو کسی کو نہیں بنایا ہو سکتا ہے اپنے وطن کے کام آ کر میں بھی کسی

UrduPhoto.com

کاز کو پورا کرنے کی کوشش کر سکوں۔ میں جانتا ہوں میرا رویہ بہت سے لوگوں کو سخت تکلیف پہنچاتا ہے۔ پر میرا یہ لہجہ میری اتنی پختہ عادت بن چکا ہے کہ میں چاہوں بھی تو اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ معلوم نہیں میری یہ عادت کتنے دلوں کو آزار پہنچا کر میرے گناہوں میں کتنا اضافہ کیئے ہوئے ہیں اسی لئے تو شاید میں ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ (Buit alas,I can,t geeyrid of it)۔"

ریحان کی نجانے کون سی بات کے جواب میں اس نے افسردگی سے اپنی خامی کا اعتراف کیا تھا۔ مگر زرتاشہ کے دل نے تو عرصہ ہوا اس کی ہر زیادتی کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر بھلا وہ کیسے اپنی تکلیف کا رب سے گلہ کرتی اور اب وہ موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا بہادر وطن پرست سپاہی جو اپنے مذہب اور ملک کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا۔ وہ اتنا جذباتی تھا کہ بہت دفعہ ابا نے بھی اسے ٹوک دیا تھا۔

"بیٹا! میانہ روی اچھی چیز ہوتی ہے اور ہر کام کا اپنے وقت مقررہ پہ ہونا قرار پایا ہے۔ اگر تمہارے ہاتھوں ان دشمنوں کا خاتمہ ہونا لکھا ہے تو کیا ضروری ہے کہ تم جلد بازی میں اتنے ایموشنل ہو کر خود اپنے راستے بند کر لو۔" ابا بھی تو کتنے دھیمے لہجہ میں بولنے لگے تھے اور ان کا پر تاثیر لہجہ عالیان کو بھی مودب کر دیتا تھا۔ کاریڈور کے کونے میں نیم تاریک حصہ میں جائے نماز بچھائے وہ خود کو آنسوؤں میں بھگو رہی تھی۔ زبان خاموش تھی۔ مگر دل مسلسل اپنے رب سے دعا کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کبھی بھی اتنی نمازی اور پرہیزگار نہیں رہی تھی۔ اس نے زندگی میں بہت سے موقعوں پہ اپنے اللہ سے شکوے کیے تھے۔ بہت بار اس نے رب کو پکارنے کی نوافل کے باوجود اس سے وفا نہیں کی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اس دنیا کی مظلوم ترین لڑکی ہے جو ہمیشہ اسے آزمائشوں میں گھری رہی ہے اور یہی بات اسے اللہ سے دور لے جاتی تھی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ اب تک کتنی نمازیں اپنی زندگی میں پڑھ چکی ہے تو زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا سوچنے کا کہ اس کے زندگی میں بہت کم ایسے لمحات آئے تھے جب وہ اپنے رب کی شکر گزار ہوئی تھی۔ ورنہ تو وہ اتنی بری تھی کہ سوائے گلے شکوے کرنے کے وہ کبھی اپنے رب سے کچھ نہیں مانگتی تھی۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس نے اپنی زندگی میں دو دفعہ دل سے اللہ کو پکارا تھا۔ ایک بار عالیان کی محبت کے لئے اور دوسری بار آج اس کی زندگی کے لئے جس شدت سے وہ دعا مانگ رہی تھی "محبت" بھی چونک کر اس جذباتی لڑکی کو دیکھنے لگی تھی، زندگی نے دکھ سے اس کی پلکوں کو نرمی سے چھوا تھا اور وقت کے کتنے لمحے خاموش سے لے کر آگے بڑھ گئی تھی۔ مگر محبت وہ تو ان دیواروں میں، اس کونے میں کرلاتی ہوئی چپ کی ردا اوڑھے اس کے ساتھ دعا گو تھی۔ جو اس بات سے بھی بے نیاز تھی کہ دو بھوری آنکھیں کب سے اس کے آنسوؤں پہ بے چین اس کی دعا پورے کرنے کی دعا کر رہی تھیں۔ تابش رحمان خود اپنی مضطرب کیفیت پہ بے چین تھا۔ اس نے کب فرسٹ سائٹ لو پہ یقین کیا تھا مگر آج صرف ایک پل اسے باور کروا گیا تھا کہ محبت کسی پہلی یا دوسری نظر کی محتاج نہیں ہوتی۔ مگر ایک تلخ حقیقت جس کو سن کر وہ کتنا نادم ہوا تھا اپنے خیالات پہ کہ وہ نہ صرف شادی شدہ تھی بلکہ اسے کے دو بچے بھی تھے اور اپنے شوہر سے اس کی بے پناہ محبت (بلکہ عشق کہا جاتا تو زیادہ مناسب تھا) وہ اتنے سے وقت میں دیکھ چکا تھا۔ ایس پی عالیان خان جس کی زندگی کے چانسز صرف دس فیصد تھے وہ ابھی ڈاکٹر لیاقت درانی سے یہ کیس

ڈسکس کر کے آیا تھا۔ آئی سی یو میں مصنوعی تنفس کے سہارے سانس لیتا وہ بے پناہ شاندار شخص جس کی جرأت اور دلیری نے سارے اسٹاف کو بے حد متاثر اور متحرک کر دیا تھا۔ اس کی ہر دلعزیزی کا اندازہ تو وہ اس کے اپنوں کے ہلتے لبوں اور امید بھری نظروں سے ہی لگا چکا تھا۔ پھر وہ کیوں نہ اس دلیر شخص کے لئے دعا کرتا۔ جو بہت سے محاذوں پر تنہا رحمان کو محبت کا مفہوم بنا کہے سمجھایا تھا۔ وہ اپنے بڑے سے گھر میں تنہا رہتا آیا تھا۔ زندگی کے کتنے سال وہ خاموش اور اداس گزار چکا تھا۔ مگر اس لڑکی کو دیکھ کر زندگی نے ایک دم سے خوشگوار رخ بدلا تھا۔ مگر ہوا کیا۔ اس کی ڈیوٹی آف ہو گئی تھی مگر وہ پھر بھی بنچ پہ بیٹھا جانے کون سی الجھنوں میں الجھا سر جھکائے بیٹھا تھا جب ڈاکٹر سمیع نے اس کا کندھا ہلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''یار! وہ پیشنٹ عالیان......'' تابش کا دل یکدم سکڑا، زندگی میں پہلی بار اتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود وہ سہمی نظروں سے کسی غیر متوقع اطلاع کے لئے سمیع کو دیکھنے لگا۔

''اس کا ہارٹ صحیح ورکنگ نہیں کر رہا۔ ڈاکٹر لیاقت نے تمہیں ایمرجنسی کال کیا ہے۔'' جلدی جلدی بتا کر وہ واپس مڑ گیا تو وہ بھی ایک نظر اس پاکیزہ چہرے پہ ڈال کر آئی سی یو کی طرف بڑھ گیا۔

''آپی! بچوں کو نیند آ رہی ہے اور شاید انہوں نے کافی دیر سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے اس لئے میں انہیں لے کر کچھ دیر کے لئے گھر جا رہی ہوں۔'' درشہوار نے اس کے پاس آ کر کہا تو وہ دھیرے سے اپنی متورم آنکھیں جھپکاتی، سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ جس کے پاس مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ افنان کھڑا تھا اور دعا بھی خلاف معمول خاموشی سے اس کی گود میں بیٹھی تھی۔ واقعی بچے صبح سے بھوکے پیاسے تھے اور ہمیشہ کے صابر اور متحمل مزاج کے دونوں اپنی ہر ضرورت سے بے پرواہ اس کے ساتھ بیٹھے رہے تھے۔ انہیں آئے ہوئے نجانے کتنی دیر ہو چکی تھی۔ مگر ڈاکٹر ابھی تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے۔

''کس کے ساتھ جاؤ گی؟''

''سمیر کو کچھ میڈیسن لینے جانا ہے مجھے جاتے ہوئے چھوڑ جائے گا۔''

کچھ دیر پہلے ہی چاچو اور سمیر آئے تھے۔ سمیر نے تو آتے ہی بھائیوں والی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ کافی دیر سے اسے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ابا کو اور اماں کو تسلی دیتا، پھپھو کو بہلاتا ہوا، اور کبھی اس کے پاس آ کر اسے سمجھاتا ہوا پریشان ہونے کے باوجود انہیں ''سب اچھا ہے'' کی تسلی دیتا وہ کتنا اچھا، ذمہ دار سہارا محسوس ہو رہا تھا اس وقت اب بھی درشہوار کو باہر لے جاتا ہوا ایک پل کے لئے اس کے پاس رکا۔

''میری ابھی ڈاکٹر لیاقت سے بات ہوئی ہے۔ ہی از ویری ہوپ فل۔ بلڈ کی ضرورت تھی جو ہمیں کے ڈاکٹر تابش رحمان نے اپنا خون دے کر پوری کر دی ہے۔ فکر مت کرو میں تو سخت جیلس ہو رہا ہوں کہ عالیان کے لئے اپنے تو اپنے، اسٹاف کے ممبران حتیٰ کہ ڈاکٹر تک دعائیں کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہوش میں ہوتا تو میں اپنی ساری جیلسی اس پہ اتار کر، اس سے امپریس کرنے کے گر ضرور سیکھ لیتا۔'' ماحول سے قطع نظر وہ ادھر ادھر کی ہانک کر اس کو مسکرانے پہ مجبور کر ہی گیا۔

''ویلش ویری گڈی۔'' توصیفی نظروں سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

UrduPhoto.com

''اللہ کہتا ہے میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ تو ہم تو مسلمان ہیں۔ اس پیارے رسول کے امتی ہیں جنہوں نے ہر مشکل اور آزمائش میں صبر کا دامن نہیں چھوڑا تو کیا یہ ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہو جائیں؟ وہ ضرور سنے گا۔ ضرورت یقین کی ہے۔ پھر دیکھنا کتنا اچھا صلہ ملے گا۔''

بڑے بھائی کی طرح اس کا سر تھپتھپا وہ درشہوار کے ہمراہ باہر نکل گیا تو وہ بھی کچھ پرسکون سی ہو کر اندر پھپھو کے پاس آ گئی۔ جہاں پہ اماں ابا اور چاچو ان کے پاس بیٹھے انہیں تسلی دے رہے تھے۔ چند گھنٹوں میں ہی پھپھو کا سارا طنطنہ، غرور جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اب تو بیڈ پہ لیٹی وہ بیمار، کمزور عورت دروازہ کھلنے پہ بھی خوفزدہ انداز میں چونک جاتی تھی۔

''اسے ہوش آیا؟'' امید بھری نظروں سے وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔ مارے بے بسی کے اس کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔

''رقیہ! مجھے دل سے معاف کر دینا۔ خدا کے لئے کوئی آہ......'' اس کی طرف سے مایوس ہو کر وہ اماں سے مخاطب ہوئیں اور بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگیں۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ عالیان کے ساتھ پھپھو کا پیار صرف دکھاوا ہے۔ وہ دنیا کے سامنے اپنا سر بلند رکھنا چاہتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سوتیلے پن کی تمام خوبیاں موجود ہیں اور اسی سوچ کے زیر اثر اسے عالیان کی ماں سے بے پناہ محبت اور عقیدت کوفت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ بھلا پھپھو بھی کسی سے محبت کر سکتی ہیں جنہوں نے اپنے سگے بیٹے تک کو گھر سے نکال دیا تھا وہ سوتیلے بیٹے کو کیسے دل سے لگا کر رکھ سکتی ہیں۔ اس وقت تو کئی جملے آ ہونے والی سوچ کا اثر اتنا غالب ہو چکا تھا کہ کئی بار عالیان پہ ظاہر کرتے کرتے رہ گئی تھی۔ اول تو اس کا وہ زبردست قسم کا تھپڑ ہی اسے اس معاملے میں مزید بولنے سے روک گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ جن رشتوں سے مجھے پیار ہے وہ کسی اور طرف متوجہ ہوں۔'' پھپھو کی نحیف آواز پہ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ پے در پے جھٹکوں نے انہیں اپنی خامیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اور اللہ کی قدرت دیکھو، مجھ سے منسلک ہر رشتہ نے اپنی پسند کو میری خواہش پہ فوقیت دی۔ پہلے سجاد نے خود ہی رقیہ کا نام لیا۔ حالانکہ میرا ارادہ رقیہ کے ساتھ ہی سجاد کی شادی کرنے کا تھا مگر جب سجاد نے خود یہ نام لیا تو مجھے بہت برا لگا اور یہی غصہ ساری عمر رقیہ اور بچیوں پہ نکلا۔ پھر طٰہ خان نے اپنی پسند اپنائی۔ شاید اس کی وجہ میرے ہاں شادی کے کافی عرصہ بعد تک اولاد کا نہ ہونا تھا۔ عالیان مجھے شروع سے ہی پسند نہیں رہا تھا۔ میں نے کہا ناں کہ مجھ میں رقابت اور حسد بہت زیادہ ہے تو صرف طٰہ خان کی نظروں میں اچھا بننے کے لئے اور اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کے لئے میں عالیان سے جھوٹا پیار جتانے لگی۔ زرتاشہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے گویا وہ انہیں غلط نہیں سمجھی تھی۔''

''مگر ہوا گیا کہ بجائے میں اس سے دور ہونے کے اس کے قریب ہوتی چلی گئی۔ وہ بچہ اپنے اندر ایسی کشش رکھتا تھا کہ میں خود بخود اس کی طرف کھنچتی گئی۔ مگر اپنی اس کیفیت پہ جھنجھلائی ساری عمر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگی رہی۔ سدرہ، عالیان کی زندگی میں آئی تو میں نے اس کا جینا اجیرن کر دیا۔ وہ بچی جانے میرے ظلم سے یا پھر تقدیر کے فیصلے سے بہت کم عمر جی پائی۔ میں نے اس کے اور عالیان کے بیچ ہمیشہ

بدگمانیاں ہی پیدا کیئے رکھیں۔ پر میرے بچے نے بھی مجھ سے پلٹ کر وضاحت طلب نہیں کی۔ اس دوران ریحان نے زینیا کے لئے مجھ سے بات کی تو میں غصے سے جیسے پاگل ہو گئی اور اسے گھر سے نکال دیا زرتاشہ کو میں نے اس لئے عالیان کے لئے منتخب کیا کہ میرا خیال تھا وہ صرف بچوں تک محدود رہے گی اور رقیہ کی طرح میرے لئے بے ضرر ہی رہے گی مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ ہمارے ارادے جو ہمیں بظاہر بہت مضبوط نظر آتے ہیں ان سے بھی طاقتور ایک ذات اوپر موجود ہے اور وہ اپنے کسی بندے کے ساتھ برا نہیں کرتا۔ عالیان بھی جانے فطری تقاضے یا پھر کسی اور جذبے کے زیر اثر زری کی طرف متوجہ ہونے لگا۔" زرتاشہ نے بے یقینی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ یہ کم از کم اس کے لئے کسی انکشاف سے کم نہیں تھا۔ پھپھو نے ایک نظر اس کی حیران آنکھوں میں دیکھا اور پھر بیڈ کے پاس بیٹھی اماں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"وہ خود بھی نہیں جانتا تھا یہ بات، مگر میں جو اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کرتی تھی اس کی خود سے معمولی سی بے توجہی کو کیسے نوٹ نہ کرتی۔ وہ دوسروں کے لئے لاکھ اکھڑ اور بدمزاج سہی مگر میرے لئے وہ ایک فرمانبردار اور پیار کرنے والا بیٹا بن جاتا تھا۔ اسی لئے اب زرتاشہ کی طرف اس کے دھیان کو بڑھتے دیکھا تو میں بالکل ہی ٹوٹنے لگی۔ میں بلاوجہ چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ عالیان کی موجودگی تک میں گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ اس کی توجہ بٹنے پہ سخت طیش میں آ گئی اور زری پہ بہتان لگا کر، سجاد اور خود اپنے آپ سے، عالیان سے اس کی بے نیازی مجھے اندر سے کچوکے لگا رہی تھی اور یہی چیز مجھے مضطرب اور بے چین کیئے ہوئے تھی۔ جانے اب بھی میں اپنے بچوں میں ایک اچھی، محبت کرنے والی ماں کی صورت میں لوٹ بھی سکوں گی یا نہیں۔ شاید وقت بلکہ اچھا وقت میرے ہاتھ سے پھسل چکا ہے۔" آزردگی، ندامت اور پچھتاؤں کی گہری چھاپ لئے وہ مضمحل سی آنکھیں موند گئیں۔ کمرے میں اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود جامد خاموشی نے اپنا ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ ہر ایک اپنی سوچ میں گم تھا وہ آہستگی سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کا دماغ اس وقت ہر سوچ سے عاری تھا۔ یونہی سر جھکا کر اپنے ہتھیلیوں کو کھول کر دیکھنے لگی۔

"مسز عالیان خان!" سوالیہ انداز لئے سامنے نرس کھڑی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ کو ڈاکٹر لیاقت نے اپنے روم میں بلایا ہے۔" ابا بھی اس کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا تو وہ حوصلہ دیتی نظروں سمیت اسے لے کر کمرے کی طرف چل دیئے۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے تو فائل اسٹڈی کرتے ہوئے ڈاکٹر لیاقت درانی نے اپنا چشمہ اتار کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کی پل بھر کی پرسوچ خاموشی نے زرتاشہ کے دل کی دھڑکنوں کو تھما سا دیا تھا۔

"ہم نے پوری کوشش کی تھی کہ اسے فوری طور پہ ہوش آ جائے مگر......" وہ لمحہ بھر کو ٹھہرے۔ ابا کے چہرے پہ بھی تفکرات کا جال پھیلنے لگا تھا۔

"مگر جو گولی دل کے پاس لگی ہے اس کی وجہ سے ہارٹ صحیح ورکنگ نہیں کر رہا۔ ہماری پوری کوشش ہے آگے آپ دعا کریں۔" ڈاکٹر کا لہجہ کسی طور بھی تسلی بخش نہیں تھا۔ تو گویا اسے اپنے آپ کو ایک بار پھر غیر متوقع صورتحال کے لئے خود کو تیار کرنا تھا۔ کیا تھا اس کی قسمت میں، یہ وہ نہیں جانتی تھی لیکن اب بات وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اس کی قسمت میں محبت پانا نہیں تھا۔ اس کا

دل چاہا کہ شیشے کے پار مصنوعی تنفس کے سہارے سانس لیتے اس وجود کو جھنجھوڑ کر پوچھے کہ اس کا قصور کیا تھا۔ پہلے آذر کو اس سے دور کیا اور اپنی محبت کے سحر میں اس طرح جکڑا کہ وہ شخص بے اس سے اپنے دل کی دغابازی کو دیکھتی رہ گئی اور جب قدم قدم پہ اس کی محبت اسے گھیرنے لگی تو وہ کس طرح بے نیاز شخص اس بات سے بھی بے خبر انتہائی بے اس سے رخ موڑ کر کسی اور راہ پہ چلنے کی تیاری میں تھا۔ اے کاش کوئی اس کی زندگی کے تمام ماہ و سال لے لیتا اور بدلے میں اسے عالیان کی زندگی کی نوید سنا دیتا تو بھی یہ سودا اس کے لئے سراسر فائدہ کا تھا مگر...... اس نے تھک کر دروازے پہ اپنا سر ٹکا دیا۔ اپنے گالوں کو وہ آنکھوں سے گیلا ہوتا ہوا محسوس کر سکتی تھی مگر خود میں حوصلہ اور ہمت نہیں پا رہی تھی کہ انہیں صاف کر کے آنکھوں کے سیلاب پہ بند باندھ لے۔ پھوپھو نے کہا کہ عالیان کی توجہ زرتاشہ پہ بڑھنے لگی تھی اور یہ بالکل غلط کہا تھا۔ بھلا محبت کرنے والے اپنے بھی آزماتے ہیں۔ محبت تو احساس کمال ہے محبت تو کیئر کرنا بتاتی ہے جب محبت دو دلوں کے بیچ آ جائے تو پھر ہر طرف اس کا ہی راج ہوتا ہے۔ ہر پل محبوب کی نظروں کے سامنے دیکھنے کی ہوس بڑھ جاتی ہے۔ لیکن یہاں تو محبت نے اپنا منتر صرف زرتاشہ پہ آزمایا تھا اسے ہر طرف سے بے بس کر کے اس ایک شخص کے سحر میں باندھ دیا تھا۔ اسے کالج کے زمانے میں پڑھی ہوئی کیٹس کی وہ نظم یاد آ گئی۔ جس میں ایک خوبصورت عورت نے ایک مرد کو اپنی محبت کا یقین دلا کر اسے تنہا چھوڑ دیا تھا اور وہ ساری عمر اس کو تلاش کرتا رہا مگر نہ اسے ملنا تھا اور نہ وہ ملی۔ جب بھی اس نے اس نظم کو پڑھا تھا ہر دفعہ وہ ہنس دی تھی کہ بھلا ایک اچھا خاصا ہوش مند شخص ایسے محبت کے فریب میں آ کر کیسے اپنی زندگی برباد کر سکتا ہے۔ مگر سمجھ آج آئی تھی کہ کیسے عقلمند بندہ بھی اسے مقام پہ آ کر بے وقوف بن جاتا ہے۔ کیسے ہوش مندی دردمندی میں بدل جاتی ہے۔ کس طرح ہر طرف صرف محبت ہی نظر آتی ہے۔ باقی ہر شے پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ آج ان تمام باتوں کے معنی کوئی زرتاشہ خان کے دل سے پوچھتا۔ ایک بار پھر شیشے کے پار پٹیوں میں جکڑے وجود کو دیکھا۔ جانے کہاں کہاں گھاؤ لگے تھے۔ ان ظالموں نے کس بیدردی سے زخم لگائے تھے۔ بھری آنکھوں سمیت وہ دیکھے گئی۔ اے کاش وہ اسے جھنجھوڑ کر اٹھا سکے اور وہ اس پہ اپنی خفا نظریں ٹکا کر اپنا غصہ نکال دے اور وہ اس کی نگاہوں سے خائف کنکھیوں سے اپنی عادت کے مطابق اس کی پیشانی کے بل گننا شروع کر دے۔ کتنا دلچسپ کھیل لگا کرتا تھا یہ اسے عالیان اس کی حرکت پہ اسے اچھی خاصی جھاڑ پلا دیتا اور وہ بدمزہ ہونے کے باوجود اپنی عادت سے باز نہیں آتی تھی۔ گھنٹوں گزر جاتے اس ڈانٹ کو پڑے اور وہ کڑھتی رہتی۔ مگر جونہی وہ سامنے آتا۔ دل بے اختیار ہو جاتا۔ اتنا قریبی رشتہ ہونے کے باوجود وہ اس سے بہت فاصلے پہ تھا۔ مگر اب تو یہ فیصلہ کئی مسافتوں پہ محیط ہو رہا تھا۔ کتنے لمحے اس نے اس شخص کو ایک ایک نقش کو کھوجنے میں صرف کر دیئے۔ ابا، چاچو، سمیر حتی کہ پھپھو تک نے اسے آرام کرنے کے لئے کہا مگر اس نے پلک تک نہیں جھپکی۔ اماں نے اپنی نم آنکھوں کو چھپانے کے لئے منہ موڑ لیا۔ ابھی تک ایک بیٹی کی جدائی کا زخم ہرا تھا۔ ساری زندگی کی تکلیف دہ انتظار کے بعد شوہر ان کی طرف پلٹا تو تقدیر نے اس طرح آزما کر ان کے حوصلے کو پشت کر ڈالا تھا۔ بیٹی کا پژمردہ، مضمحل حلیہ انہیں توڑے جا رہا تھا مگر وہ بے بس تھیں۔ ابا بھی نڈھال سے ایک طرف سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم تھے۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کوریڈور سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر تابش رحمان نے بے چینی سے اس ساکت مجسمہ کی مانند بیٹھی لڑکی کو دیکھا تھا۔ رات سے وہ بھی گھر نہیں گیا تھا اور جتنی بار بھی دانستہ یا نادانستہ وہ یہاں سے گزرا تھا وہ اسی طرح ہر طرف سے بے خبر بیٹھی تھی۔ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ ہونے کے باوجود اس شخص کے دل کی دھڑکنوں کو متوازن نہیں کر پا رہا تھا اور یہی شکست اسے خوفزدہ کیے جا رہی تھی۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ کئی کیسز ایسے آئے تھے جنہیں باوجود کوشش کے وہ نہیں بچا سکا تھا مگر وقتی دکھ کے بعد وہ سنبھل جاتا تھا۔ مگر اب تو یہ اس کی محبت کا امتحان تھا جس کی کامیابی کے لئے اس نے اللہ سے رات سے اب تک کئی بار دعا کی تھی۔ وہ اس لڑکی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا اور وہ یہ جان گیا تھا کہ ان خوفزدہ بڑی آنکھوں کی چمک صرف اس شاندار شخص کی زندگی سے مشروط تھی جو ڈوبتی نبض کے ساتھ زندگی ہارتا جا رہا تھا۔ افسردگی سے ایک نظر اس پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔

''بہت محبت کرنے لگے ہو اس سے؟'' دھیمے لہجے میں پوچھتی ڈاکٹر ثمن مسعود اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ تابش رحمان نے صرف ایک نظر اسے دیکھا اور پھر نظر پلٹ گیا۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔'' لہجہ سوال کی نسبت پر یقین زیادہ تھا جیسے وہ اس کے جواب کے اپنے سوال میں ہی پا چکی تھی۔

''شاید۔'' گہرا سانس لے کر وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ کتنی دیر تک اذیت ناک سی خاموشی چھائی رہی۔ اداسی کی ردا اوڑھے، بامعنی سی خاموشی جس میں دونوں نفوس اپنی جگہ تکلیف دہ احساس میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے اس اعتراف پہ، جس کا اظہار دونوں سے وہ خود بھی نہیں کر سکا تھا بجائے مطمئن ہونے کے مزید بے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

چین ہو گیا تھا اور ثمن مسعود اپنے جذبوں میں کھوٹ اور صداقت کے تناسب میں الجھی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ اظہار کر کے پچھتاتے ہیں اور کچھ نہ کر کے اور یہی سچ ہے کہ اس کھیل میں ہار جیت کا مارجن تو رکھا ہی نہیں جاتا۔ جیتنے والا ہارنے والے کی شکست پہ کبھی خوش نہیں ہوتا اور ہارنے والا تو شاید اندر تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

''بھابھی!'' مانوس سی آواز پہ اس نے اپنی متورم آنکھوں کو بمشکل کھول کر سامنے دیکھا دوسرے پل وہ اس کے کندھے سے لگی اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم چلے گئے تھے ناں اور دیکھو وہ تمہارے بن کبھی رہے نہیں۔ کیا حال بنا لیا انہوں نے اپنا۔''

ریحان نے شیشے کے پار اپنے عزیز ترین بھائی کو مشینوں کے سہارے سانس لیتا تو بے اختیار اپنی سرخ جلتی آنکھیں موند گیا۔ زینیا، رقیہ کے گلے سے لگی رو رہی تھی۔ ریحان نے ایک بار پھر بے سدھ پڑے وجود کو دیکھا۔ وہ اس کا سب سے پیارا بھائی اسے زندگی کی بے رحمی سے بچاتے بچاتے خود اپنی جان گنوانے چلا تھا۔ جس سے زندگی کے بہت سے معاملات پہ ریحان خان کو اختلاف تھا۔ لیکن محبت...... وہ تو پوری ریحان میں پنجے گاڑھے ہوئی تھی کہ جب بھی عالیان خان اس کے سامنے آتا تو سب کچھ پس منظر میں چلا جاتا اور سامنے صرف محبت مجسم شکل میں رہ جاتی۔ وہ واقعی بابا کی کاپی تھا۔ ان کی شخصیت کی ساری دلکشی، وقار متانت اور خود سے محبت کروانے کا ہنر چرائے ہوئے تھا۔ سدرہ بھابھی نے تو کئی بار ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''اگر عالیان اپنے مزاج کی گرمی کو کم کر کے موڈ دھیما کر لیں ناں تو کوئی شک بھی نہیں

کر سکے گا کہ وہ طہٰ خان نہیں ہیں۔'' اس نے سر جھٹک کر خود کو سوچوں میں آزاد کروایا۔

''مجھے ابرار صدیقی نے فون کر کے بلایا ہے۔'' اما کے پوچھنے پہ اس نے عاطف شاہ کے ایکسیڈنٹ کا بتایا۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟''

اس سوال پہ ہر چہرے پہ رقم بے بسی اور مایوسی اس کے اندر سنانے اتار گئی۔ مما نے خاموش لبوں اور بہتی آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تو وہ تڑپ ان کے ہاتھوں پہ جھک گیا۔ وہ ان سے خفا ہو کر بھلا کیا کرتا۔ جس لڑکی اس میں اس نے چار سال گزار دیے۔ اس پل کی امید ہر بار عالیان اسے تھما جاتا تھا۔ وہ وقت آیا بھی کب جب وہ پر یقین اور امید سے بھری روشن آنکھوں والا ہی اس سے دور جا رہا تھا۔

''مما سب کچھ بھول جائیں۔ بس بھائی کے لئے دعا کریں۔'' وہ گڑگڑانے کے انداز میں ان سے کہہ رہا تھا۔

''اللہ!'' آنکھیں بند کر کے زرتاشہ نے پوری شدت سے اس ذات کو پکارا جو کبھی دل کی پکار کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ اسی وقت آئی سی یو کا دروازہ کھول کر تیزی سے نرس باہر نکلی تھی اور ان سب کے دلوں کی دھڑکنیں وہیں رک گئی تھیں۔ کسی میں بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ انہونی کا احساس ہونے پہ بھی وہ خود سے بڑھتے تین چار ڈاکٹرز کو زرتاشہ نے دھندلی آنکھوں سے دیکھا اور باوجود کوشش کے خود کو سنبھال نہیں کی۔ وہیں زینیا کی بانہوں میں جھول گئی۔ آئی سی یو کے دروازے میں رک کر تابش رحمان نے ایک پل کے لئے یہ سب دیکھا۔ آنکھوں میں کچھیں حسرت، بے بسی کو محبت نے

اپنے اندر سمو لیا اور کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ منظر دو اور آنکھوں نے بھی دیکھا۔

''میں تمہیں سمیٹ لوں گی تابش رحمان۔'' ایک عزم سے سوچ کر ثمن مسعود اپنی امریکہ کے لئے سیٹ کنفرم کروانے چل پڑی۔ کہ اب تابش رحمان کے ساتھ اسے بھی امریکہ جانا تھا اور بابا کو بھی کل سے آئے تابش رحمان کے پرپوزل کے لئے ہاں بھی تو کرنا تھی۔

اپنے چہرے پہ نرم ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دعا اپنے چھوٹے ہاتھوں سے اس کا چہرہ سہلا رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ اس کو بانہوں میں لے کر چوم لیا تھا اور یونہی نظر اس شخص پہ پڑی تھی جو افنان اور ارحم کے ساتھ قالین پہ بیٹھا ان سے باتوں میں مگن تھا۔ ہمیشہ والا بے نیاز انداز جس میں گزشتہ ایک سال سے لاپروائی کا رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ صرف اس کا ہی تو نقصان نہیں ہوا تھا وہ بھی تو اس معصوم جان کو گنوا بیٹھی تھی جس نے ابھی دنیا میں سانس بھی نہیں لیا تھا۔ اس کے لئے تو وہ ''لمحاتی غلطی'' ہی تھی لیکن زرتاشہ کے لئے تو وہ زندگی تھا۔ وہ خوشی تھی جسے رب نے جانے کس نیکی کے بدلے اسے عطا کیا تھا اس کے لئے تو محبت کی نشانی تھی مگر...... ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ بہت زیادہ اسٹریس کی وجہ سے مس کیرج ہوا تھا اور وہ اس ٹینشن کی وجہ جاننے کے باوجود اس سے خفا تھا۔ آج اسے ٹھیک ہوئے بھی جانے آٹھ ماہ یا نو ماہ ہو گئے تھے مگر وہ اپنی ہر ڈیوٹی نبھا رہا تھا مگر اس کے ساتھ سرد رویہ زرتاشہ کو اندر تک ٹھٹھرا کر رکھ دیتا تھا۔ بچوں کا فیورٹ بابا کا رول نبھانے لگا تھا۔ پھپھو کا پسندیدہ بیٹا تو پہلے ہی سے تھا اب اس حادثہ کے بعد تو ان سے بہت قریب ہو گیا تھا۔ وہ تو آفس میں بھی جانے کتنی بار فون

کر کے اس کی خیریت کے لئے بے چین رہتیں تھیں۔ ریحان نے اپنے سارے اختلافات ختم کر لئے تھے اس سے۔ زینیا کے لئے تو وہ شروع سے ہی بھائی کا فرض اچھی طرح ادا کر رہا تھا۔ رہ گئی وہ تو وہ ہمیشہ کی طرح نامرادتھی۔

''وقار الدین، عالیان کا اکلوتا سگا ماموں تھا۔'' عاطف شاہ نے ایک دن ان سب کو بتایا تھا۔ دولت کے لالچ میں پہلے بہن کو مروایا اور پھر طٰہٰ خان کو بھی اس کے خاص ملازم دلدار خان کے ہاتھوں سلو پوائزننگ سے مروا دیا۔ کرائم ورلڈ میں بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا اور اس کے کرتوتوں سے طٰہٰ خان آگاہ تھے۔ عالیان کو بھی ختم کروانا چاہتا تھا مگر دلدار خان نے تھانے میں جا کر اپنے جرم کا اعتراف کیا تو اسے مروا کر باہر بھاگ گیا۔ عالیان کو سب کچھ معلوم تھا اسی لئے وہ اس کیس کے لئے اتنا ایموشنل تھا۔ اسے گولیاں بھی وقار الدین نے ماری تھیں۔ مگر انسپکٹر عبدالجبار نے پیچھے سے آ کر اسے گولیوں سے بھون ڈالا۔ نجانے دولت کی ہوس انسان کو کیوں اتنا اندھا کر دیتی ہے۔

''کیا زمانہ آ گیا کہ خون بھی سفید ہو گئے ہیں۔'' عاطف شاہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا تھا اور وہ سب بھی عالیان کی زندگی کی اس سچائی پہ بے انتہا دکھی ہو گئے۔ اب زرتاشہ کو احساس ہوتا تھا کہ عالیان کی شخصیت اسی لئے اتنی الجھی ہوئی تھی۔ اس کے مزاج کی تندخوئی زندگی کی تلخی کو سمیٹے ہوئے تھے وہ ہر معاملہ کو جانتا تھا چاہے وہ پھپھو کا بناوٹی پیار ہوتا یا پھر سدرہ بھابھی کے لئے ان کی ناپسندیدگی ہوتی۔ مگر وہ سب سے چشم پوشی کئے ہوا تھا اور یہی برداشت اس کے اندر ہر وقت الاؤ جلائے رکھتی تھی۔ مگر زرتاشہ کو یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس سارے سیٹ اپ میں اس کی جگہ کہاں تھی۔ وہ کس خانے میں فٹ ہوتی تھی۔ اس ایک سال میں وہ کتنا کچھ گنوا بیٹھی تھی۔ ابا کا کہنا مانا تو خالہ کو ناراض کر دیا۔ آذر، کرن، خالہ وغیرہ کا ناطہ چھوٹا تو وشی آپا ایسی جگہ چلی گئیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اب اگر وہ اپنی گزشتہ زندگی کی طرف پلٹتی بھی تو کہاں جاتی۔ اماں ابا کو کیسے دکھ دیتی جو بڑی بیٹی کے غم کو سینے سے لگائے اندر ہی اندر سلگ رہے تھے اور پھر کیا وہ ان ننھے فرشتوں سے دور ہو کر زندہ رہ سکتی تھی جن کی موجودگی ہی اس کی زندگی کی شرط تھی۔ صرف ایک شخص کی بے اعتنائی کی سزا وہ ان کو کیوں دیتی۔ دعا کو گود میں لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مما!'' وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ بولنے لگی تھی۔

''جی۔'' ایک ہاتھ سے اس کے بکھرائے ہوئے کھلونوں کو سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔ وہ حسب عادت اپنی بات کے جواب پہ خوش ہو کر ماں کی گود میں مزید سر گھسانے لگی۔ زرتاشہ نے مسکراتے ہوئے اس معصوم حرکت پر چوم ڈالا۔ کچھ دیر پہلے کی فرسٹریشن خود بخود ختم ہو گئی۔

''زرتاشہ!'' کچن میں آئی تو زینیا مختلف سبزیوں میں الجھی نجانے کیا بنانے کی کوشش کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے دیکھا تو پکارا۔

''ہوں۔'' گاجر کھاتے ہوئے اس کے بکھیڑے پہ نظر دوڑائی۔

''افنان کی برتھ ڈے آ رہی ہے کہاں سلیبریٹ کرو گے۔''

''ہاں پرسوں ہے گھر پہ ہی منائیں گے میرا تو خیال ہے آگے ان کی مرضی۔''

''ایک بات بتاؤ تم لوگ ابھی تک آپس میں اجنبیت سمیٹے ہوئے ہو؟'' زینیا اپنا کام چھوڑ کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''پتا نہیں یار! شاید میں ہی غلط ہوں۔'' گہری سانس لے کر مٹر چھیلنے شروع کر دیئے۔

''انسان کو اتنی توقعات نہیں رکھنی چاہئیں۔ اتنا عرصہ خود کو سمجھانے میں گزار دیا کہ میں صرف یہاں بچوں کی وجہ سے ہوں۔ مگر پھر بھی اس دل نے امیدیں باندھنی شروع کر دی اور نتیجہ کیا نکلا۔'' وہ ضرورت سے زیادہ تلخ ہو رہی تھی۔ اسے بغور تکتی زینیا نے دھیرے سے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

''تم یہ سب برداشت کیوں کر رہی ہو؟'' اس ایک سوال نے اس میں سے جیسے روح کو کھینچ ڈالا۔ اس وقت دل نے بے اختیار گئی بیٹ مس کی تھیں۔ وہ کیا بتاتی اسے کہ وہ آج کل ''ہیر'' بننے جا رہی ہے۔ یا پھر یہ بتاتی کہ وہ اس شخص کی محبت کو اپنے اردگرد بکھیرے خود کو اس قلعہ محبت میں محصور کیئے ہوئے ہے۔

''تم مما سے بھی ابھی تک خفا ہو؟'' زینیا نے ایک بار پھر اسے مشکل میں ڈالا۔

''نہیں پھپھو سے میری دوری صرف اسی لئے ہے کہ میں شروع سے ہی ان سے اتنی فرینک نہیں ہوئی۔ ان سے بھلا میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ بس میں شاید خود سے ہی ناراض ہوں۔'' مٹر چھیل لئے تھے۔ اس لئے باؤل ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اگر تم کہو تو...... تو...... میں بات کروں عالیان بھائی سے۔'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔ زرتاشہ دھیمے سے مسکرا دی۔

''اٹس آل رائٹ میرا خیال ہے جیسے چل رہا ہے چلنے دو۔ اب تو صرف بچوں کے لئے جینا ہے اور مجھے اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے ان بچوں کے دلوں میں میری محبت اتنی ڈالی ہے کہ میری ساری تشنگیاں ہی ختم ہو گئیں۔'' اس کے لہجے میں ممتا اور محبت چھلک رہی تھی۔ زینیا نے عقیدت سے اس کی طرف دیکھا۔

''درشہوار کی شادی کی تیاری کمپلیٹ ہو گئی؟''

''ہاں پچھلے ہفتے گئی تھی تو اماں رہی تھیں کہ اب صرف زیور رہ گیا ہے۔ وہ آرڈر دے چکی ہیں۔ کچھ دن پہلے مل جائے گا۔'' درشہوار کی شادی کے ذکر پہ اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا اور زینیا بھی فی الحال اس موضوع سے اس کی توجہ ہٹانا ہی چاہتی تھی۔ جس میں وہ کامیاب رہی تھی۔

''زرتاشہ!'' پھپھو کے پکارنے پہ وہ افنان کو ہوم ورک کرواتے ہوئے چونک سی گئی۔ اس انداز میں وہ اسے بہت کم پکارتی تھیں۔

''آپ یہ کوئچن حل کریں میں ابھی آتی ہوں۔'' افنان کو نوٹ بک تھما کر وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''جی آپ نے بلایا تھا۔'' وہ بیڈ پہ لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کے اشارہ کرنے پہ نزدیک پڑے صوفے پر بیٹھ کر پوچھا۔ وہ اس سے کچھ کہنے کی بجائے اسے دیکھتی گئیں۔

''پھپھو!'' اس کی خاموشی سے گھبرا کر وہ [illegible] پکار اٹھی۔

''ہوں۔'' اپنے خیالوں سے چونک کر [illegible] انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''میں اکثر سوچتی ہوں کہ انسان کا دل بھی [illegible] کیسا عجیب شے ہے۔ معمولی سی بدگمانی کی گر[illegible] اس کے شفاف آئینے کو کیسے دھندلا دیتی ہے۔'' ان کی لایعنی باتوں پہ الجھ کر زرتاشہ نے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پہ وہی ندامت پچھتاوے کے رنگ تھے جو وہ پچھلے سال سے دیکھ رہی تھی۔ رنگت میں گھلتی ہوئی زردی ہر [illegible] کی آرائش سے بے نیاز چہرہ خود سے بھی بیگانی [illegible] اپنے ماہ و سال کی زیادتیوں کے حساب و کتاب میں الجھی رہتی تھیں۔

UrduPhoto.com

"میں نے تمہاری شادی کے ابتدائی دنوں میں جو زہر عالیان کے دماغ میں انڈیلا، اس کا بھگتان تم بھگت رہی ہو۔ میں جانتی ہوں تم لوگوں کے درمیان فاصلے مزید بڑھ گئے ہیں جنہیں میں جتنا ختم کرنا چاہتی ہوں اتنے ہی زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہی میری سزا ہے۔ میرے گناہ معاف نہیں ہوئے بہت دلوں کو دکھایا اور اس کا پھل اس عمر میں مجھے مل بھی رہا ہے۔" وہ کیا کہتی، خاموشی سے حسب معمول سنتی رہی۔

"عالیان میرا سب سے پیارا بیٹا ہے۔ مگر اس میں کھڑ مزاجی بہت زیادہ ہے۔ نجانے کیا ہے اس کے دل میں جو میرے سمجھانے پہ بھڑک اٹھتا ہے۔ جونہی یہ موضوع ڈسکس کرنا چاہوں بڑے آرام سے بات کا رخ موڑ دیتا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں۔ زرتاشہ کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔ اتنی بے وقعتی، اتنی کم مائیگی کا احساس ہی اندر سے مار ڈالنے لگا تھا۔

"پھپھو وہ ضد میں نہیں ہیں۔" آج پہلی بار وہ پھپھو کے سامنے کھلنے لگی تھی وہ بھی کچھ خوشگوار حیرت سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ گویا ان کی توبہ قبول ہو گئی تھی۔

"وہ کسی سے بھی محبت نہیں کرتے۔ انہیں نہ سدرہ پسند تھیں اور نہ ہی مجھ سے کوئی دلی لگاؤ تھا اور میں، میں تو شاید کسی بھی شمار میں نہیں ہوں۔" گالوں پہ پانی لڑھک آیا تھا جس سے بے پرواہ بولتی چلی گئی۔

"آپ کہتی ہیں ناں کہ آپ نے آذر سے متعلق میرے لئے ان کو غلط راہ دکھائی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کا شک اس وقت سے ہے جب میں نے شادی سے پہلے فون کر کے انہیں انکار کیا تھا۔ وہ تو مجھے اس گھر میں برداشت بھی اس وجہ سے کرتے ہیں کہ افنان اور دعا کو مجھ سے محبت ہے ورنہ میرا نہیں خیال کہ وہ مجھے ایک دن بھی اس گھر میں رہنے دیتے۔" اس کی ہچکی بندھ گئی۔ پھپھو اٹھ بیٹھیں۔

"زری بچے ایسا نہیں سوچتے۔" انہوں نے اسے قریب کر کے کندھے سے لگا لیا۔

"نہیں پھپھو ایسی ہی بات ہے۔" وہ اپنے موقف پہ ڈٹی رہی۔

"میری قسمت میں ہر بار ہی مجھے اچھے دنوں کی آس دلا کر مجھے اندھیروں میں دھکیل دیتی ہے اور اتنی خوش فہم ہوں میں کہ جو کوئی معمولی سی توجہ دے اس خاص معنی پہنانے لگ جاتی ہوں۔" ذہن میں آذر کے اس پہ لگائے گئے بے وفائی کے الزام گونجنے لگے تھے۔ اس کا وہ تنفر، دولت کی خاطر اسے چھوڑ دینے کا طعنہ اور نجانے کون کون سی باتیں تھیں جو اسے مزید رلا رہی تھیں کسی کی خاطر سب کچھ سہا...... ہاہ...... اندر تک افسردگی کی لہر پھیل گئی اور وہ اب بھی نگاہوں میں سختی، چہرے پہ سرد مہری سجائے اس سے اتنے ہی فاصلے پہ تھا جتنا پہلی رات تھا۔ پھپھو اسے پچکار رہی تھیں ہر طرح سے تسلیاں، دلاسے دے رہی تھیں۔ بار بار خود کو ان تمام حالات کا ذمہ دار کہہ رہی تھیں مگر وہ چپ تھی۔ اس محبت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی تیزی طراری، مزاج کی گرمی سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ رہ گیا تھا تو صرف ایک اجڑا ہوا دل جس نے زمانے کے کئی ستم برداشت کیے تھے مگر پھر بھی ڈھیٹ بنا محبت کا طالب بنا بیٹھا تھا۔

"آج آتا ہے عالیان تو اس کے ساتھ جا کر افنان کی برتھ ڈے کے لئے شاپنگ کر کے آنا۔ میں اس دفعہ بہت دھوم دھام سے یہ فنکشن کرنا چاہتی ہوں۔" پھپھو نے اس کا سر تھپتھپا کر اسے خود سے الگ کیا۔

"میں زینیا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

آنکھیں صاف کرتے ہوئے روٹھے پن سے کہا تو وہ دھیمے سے مسکرا دیں۔

"زینیا کو آج ریحان کے کسی دوست کی شادی میں جانا ہے اور کل صبح ہی اسے اپنی خالہ کی طرف جانا ہے جن کی بیٹی کی منگنی ہے۔"

"پھر میں آپ کے ساتھ جاؤں گی بس۔" حتمی لہجہ میں کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھپھو نے خاصی پرسوچ نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا اور وضو کرنے کے لئے واش روم میں چلی گئیں۔

"تمہاری وجہ سے میں نے فنکشن مس کیا ہے۔" بوتیک میں داخل ہوتے ہوئے کوئی دسویں بار زینیا نے اسے جتایا تو وہ عالیان کی موجودگی کی وجہ سے صرف اسے گھور کر رہ گئی۔ ویسے بھی عالیان کے سامنے وہ ہمیشہ خاصی ریزرو اور سنجیدہ رہنے کی کوشش میں رہتی تھی۔

"کیا مصیبت ہے تمہیں کل افنان کی برتھ ڈے ہے تمہاری نہیں۔" زینیا نے جب تیسرا انگوری کلر کا اسٹائلش سا سوٹ بھی ریجکیٹ کر دیا تو وہ جھلا کر اسے کے پچھلے دہرائے جانے والے من پسند کا بھی بدلہ اتار گئی۔

"میں افنان کی چچی ہوں آخر ظاہر ہے لوگوں پہ امپریشن اچھا ہی پڑنا چاہیے ویسے بھی مما نے اس دفعہ اپنے سرکل کے تقریباً تمام لوگوں کو انوائیٹ کیا ہے۔" خاصے اطمینان سے جواب دے کر وہ دوبارہ سیلزگرل کی طرف متوجہ ہو گئی جو اسے ایک اور خوبصورت سا کرتا شلوار دکھا رہی تھی۔ خلاف معمول عالیان کی پیشانی ہر قسم کی شکنوں سے آزاد تھی وہ محض خاموشی سے پچھلے تین گھنٹوں سے نہ صرف صبر سے ان کے ساتھ پھر رہا تھا بلکہ ان کی نوک جھونک کے دوران بھی صرف سامع بنا ہوا تھا۔ زینیا کی بے نیازی پہ وہ دانت کچکچا کر خود کو کوس کر رہ گئی جس نے پھپھو سے کہہ کر آج زینیا کو روک لیا تھا۔

"تم نے اپنے لئے ڈریس دیکھا؟" اللہ اللہ کر کے وہ اپنی شاپنگ سے فارغ ہوئی تو زرتاشہ کی فکر میں مبتلا ہو گئی۔

"نہیں۔" خاصے تحمل سے مختصر جواب دے کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"حد کرتے ہیں آپ بھی عالیان بھائی یہ تو کبھی اپنے حلیے کی پروا نہیں کرے گی۔ کم از کم آپ ہی خیال کر لیتے۔ اتنی دیر سے آپ دونوں ایسے ہی کھڑے ہیں۔" یہ واقعی زینیا ریحان کی ہمت تھی جو عالیان خان کو نہ صرف ڈانٹ سکتی تھی بلکہ اس سے اپنی منوا بھی سکتی تھی۔ وہ دل میں اس کی صلاحیت کی معترف ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے اس ناگہانی سرزنش پہ عالیان بھی کچھ بوکھلا سا گیا۔ جینز اور شرٹ میں خاصے رف حلیے میں کنفیوژ سا عالیان اپنے فارمل انداز کی نسبت اتنا اچھا لگا کہ بے اختیار دو تین بار وہ اس پہ نظر ڈالنے کی چوری کر گئی۔

"آپ اسے ڈریس لے کر دیں تب تک میں ذرا جیولری کی میچنگ کر لوں۔" وہ بولتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی تو ایک بار پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کچھ کترائے سے خاموش کھڑے رہ گئے۔

"مے آئی ہیلپ یو؟" سیلزگرل پروفیشنل انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ عالیان چونکا اور جواباً مسکراتے ہوئے اس کی ہمراہی میں آگے بڑھا۔ زرتاشہ نے خاموشی سے یہ سب دیکھا لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔

"سر! از شی یور وائف......؟" لائٹ اورنج اور گرین کمبینیشن کا ڈریس اس کے سامنے کرتے ہوئے سیلزگرل نے پوچھا۔

"یس۔" اس جواب پہ خاصی توصیفی نظروں سے پہلے عالیان کو اور زرتاشہ کو اس نے

UrduPhoto.com

دیکھا۔

"اگر آپ انہیں کسی اسپیشل ایونٹ کا گفٹ دینا چاہتے ہیں تو پنک اورنج کنٹراسٹ بیسٹ ہے۔ اگر Casualy پر گفٹ کرنا ہے تو گرین کلر اچھا ہے۔" وہ مسلسل اس کی رہنمائی کر رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس پہ تو دونوں کلرز ہی بہت سوٹ کرتے ہیں۔ اپنی اس سوچ پہ وہ خاص حیران بھی ہوا تھا۔ اس نے کب اتنی گہرائی سے اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا کہ اس پہ سجنے والے رنگوں تک کی پہچان کر بیٹھا تھا۔ اپنی پسند کا سوٹ پیک کروا کر وہ ادھر آ گیا جہاں پہ وہ دونوں کھڑی تھیں۔

"کیا تھا جو مجھے ساتھ چلنے کا کہہ دیتے۔" ایک اور شکوہ دل میں ابھرا جس کو ہمیشہ کی طرح دل ہی دل میں دبا لیا۔

"میں نے بہت سے رشتوں کو کھویا تھا۔ اسی لئے نیا رشتہ جب سامنے آیا تو قدرتی طور پہ میں ڈرا ہوا تھا۔" آج افنان کی برتھ ڈے تھی وہ اگرچہ خود کو کافی سنبھالے ہوئے تھی مگر اندرونی اضطراب تھا کہ بڑھتے ہی جا رہا تھا۔ اماں ابا کے سامنے خود کو فریش اور خوش باش شو کیا تھا اور وہ بھی اب اس کی زندگی سے خاصے مطمئن اور پرسکون تھے۔ سمیر اور چاچو بھی آئے ہوئے تھے اور سمیر نے عالیان کے سامنے زرتاشہ کی بے چینیاں اور بے تابیاں بتا کر خوب مذاق اڑایا تھا اس کا۔ عالیان سے اس کی ملاقات اس حادثے کے بعد پورے سال کے بعد ہو رہی تھی۔ اس لئے پچھلی باتوں کو لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔

"اب بس بھی کرو میری بیچاری کو اتنا شرمندہ تو مت کرو۔" زینیا کو اس کی حالت پہ رحم آ ہی گیا۔

"تمہاری والی تو پی ورتا قسم کی خاتون کا رول ابھی سے ادا کر رہی ہے۔" سامنے اس کے لئے چائے لے کر آتی درشہوار کو زینیا نے شرارتی نظروں سے دیکھا تو وہ جھینپ گیا۔ سب کو نوک جھونک کے باوجود جو کمی اور سناٹا اس کے اندر اتر رہا تھا اس نے اسے اداس کر دیا تھا اور اب رات کے دو بجے جب وہ تھکی ہاری کپڑے بدلنے کے لئے جا رہی تھی تو وہ کمرے میں آ گیا۔ یونہی نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے خود کو دیکھتا پایا۔ اس کے چہرے پہ معمول کی سنجیدگی تھی۔ وہ کیا سوچ رہا تھا کچھ بھی جاننا ناممکن تھا۔ وہ زندگی کا اتنا عرصہ اس کے ساتھ گزارنے کے باوجود اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔ یہاں لوگ کہہ دیتے ہیں کہ "ہماری شادی ہوئی اور ہم میں انڈرسٹینڈنگ اس حد تک پہنچ گئی کہ دو ماہ کے بعد ہی ایک دوسرے کے چہروں سے ان کی دلی کیفیت کا اندازہ کر لیتے ہیں۔" جانے کیسے لوگ ہوتے ہیں وہ اس نے گہرا سانس لے کر نظروں کا زاویہ بدلا اور چوڑیاں اتار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ حسرت، امیدی، محرومی یہ سب چیزیں اسے محبت نے عطا کی تھیں۔ نہیں دیا تھا تو وہ دل کا سکون اور محبوب کی نظر التفات نہ ملی تھی۔

"زرتاشہ۔" آج کتنے عرصے کے بعد اس نے پکارا تھا۔ وہ حیرانگی سے پلٹی۔ بلیک شلوار کرتے میں ملبوس وہ دلکش سا عالیان واقعی اس سے مخاطب تھا۔

"کیا تم ادھر آ کر میری بات سن سکتی ہو۔" وہ کیا کہنا چاہتا تھا کہ میں اب مزید تمہیں برداشت نہیں کر سکتا یا پھر ڈائریکٹ اسے علیحدگی کا پروانہ تھما دے گا۔ وہ کچھ پریشان سی سوچتی ہوئی صوفے کے دوسرے کنارے پہ ٹک گئی۔ جہاں پہ عالیان بیٹھا ہوا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ عالیان کے لبوں پہ پل بھر کے لئے کوندی۔

"تھینکس تم نے میرا گفٹ ایکسپٹ کیا۔ بہت اچھا لگا ہے یہ ڈریس تم پر۔" سب نے آج

اس کی تعریف کی تھی مگر یہ تعریف اس کے لئے ہر ستائش سے کئی گنا بڑھ کر تھی۔ وہ جو اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔ وسوسے، اندیشے اسے لرزا رہے تھے اس وقت یہ جملہ...... زرتاشہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے پتہ ہے تمہیں مجھ سے بے پناہ شکایتیں ہیں مگر میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے میں معذرت کر سکوں۔" وہ بنا کچھ کہے اسے دیکھتی گئی اور وہ اس پہ اپنے دل کا ہر راز کھولتا چلا گیا۔

"پہلے سدرہ میری زندگی میں آئی۔ وہ بہت نڈر تھی۔ میرے غصے، مزاج سے خائف ہوئے بنا وہ اپنا حق لینا جانتی تھی۔ مجھے اعتراف ہے اس نے مجھے بہت بدلا۔ میں جو مما کی ڈیتھ کے بعد اور پھر پاپا کے بعد بہت چڑچڑا، بدمزاج ہو گیا تھا سدرہ کے آنے کے بعد سنبھلتا چلا گیا۔ مگر اس نے بھی مجھے دھوکہ دیا اور چھوڑ کر چلی گئی۔ میں جانتا تھا مما سدرہ کو پسند نہیں کرتیں۔ میں ان کی سائیکی بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر میں نے کہا ناں کہ مجھے ہر وہ شخص پیارا لگتا تھا جو مجھ سے محبت جتاتا ہو۔ اسی لئے دکھاوے کے پیار کو بھی کبھی ان پر نہیں جتایا۔ تمہاری طرح ایک دو بار سدرہ نے بھی مجھے مما سے متعلق جب بھی کچھ کہنا چاہا تو اسے میں نے جھڑک دیا مگر تمہارے پہ میرا ہاتھ اٹھ گیا جس پہ کتنے دن میں نادم رہا۔" وہ خاصا شرمندہ سا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زرتاشہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

"مگر خدا جانتا ہے میں تم سے آذر کے متعلق کبھی بدگمانی کا شکار نہیں ہوا بلکہ میں احساس ندامت میں مبتلا رہا کہ میری وجہ سے تم لوگ جدا ہوئے۔ مما نے ایک دو بار مجھ تم سے آذر کے ریفرنس سے متنفر کرنا چاہا مگر میں حقیقت سے باخبر تھا۔ جس لڑکی نے اپنا بچپن کا پیار، اپنا منگیتر صرف اپنے باپ کی عزت رکھنے کے لئے چھوڑ دیا۔ جس نے میرے بچوں کی خاطر اپنے تمام جذبات، احساسات کا گلا گھونٹ دیا وہ کیسے بدکردار ہو سکتی ہے۔ وہ جو میرے افنان اور دعا کی پیاری سی مما تھی مگر ایک اچھی بیوی نہیں تھی۔" اس الزام پہ اس نے محض خفگی سے اسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"درشہوار کہتی ہے کہ زری آپی میں قوت برداشت بہت کم ہے ابا نے رویے کا سب سے زیادہ بائیکاٹ وہ ہی کرتی تھیں مگر میری زرتاشہ کا حوصلہ تو قابل دید ہے۔"

"لفظ میری۔" یہ وہ ایک بار پھر چونکی وہ اسے مسلسل حیران کیے جا رہا تھا آج۔

"وشی آپا کی فیملی کے مرڈر پہ تمہاری ہمت اور برداشت کا میں دل سے قائل ہو گیا تھا۔ مگر ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ اتنا بڑا سانحہ برداشت کرنے کے باوجود، میرے ناروا سلوک کو سہتے ہوئے بھی میری معمولی سی بیماری پہ زرتاشہ خان کیوں رو پڑی تھی۔"

"تم جانتی ہو مجھے اپنے ماتھے پہ ابھی بھی ان نم ہونٹوں کا لمس محسوس ہوتا ہے جنھوں نے مجھے اک عجیب سے احساسات سے روشناس کروایا تھا۔" اوہ تو واقعی وہ اس رات مکمل ہوش میں تھا جب اس نے افنان والی حرکت دہرائی تھی۔ وہ یہ سوچ کر ہی خجل ہو گئی۔

"میں مما کا کیسے یقین کر لیتا کہ میں نے زرتاشہ کی آنکھوں میں اس کے ہر انداز میں محبت کو محسوس کیا تھا۔ اگر آذر کو وہ سوچتی بھی تھی تو وہ اس کا ماضی تھا اور میرے ماضی میں بھی تو سدرہ رہ چکی تھی۔"

"آذر سے صرف میری انڈر اسٹینڈنگ تھی۔" پہلی بار اس نے لب کشائی کی۔ عالیان دھیرے سے مسکرا دیا۔

UrduPhoto.com

''میں جانتا ہوں اور مجھے مزید اس ٹاپک پہ بات بھی نہیں کرنا۔ اب صرف تمہاری اور میری بات ہوگی۔ تم نے نجانے سب پہ کون سا سحر پھونکا ہے کہ مما، ریحان اور زینیا سب مجھ سے تمہارے سلسلے میں خفا ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں شروع سے غلط رہا ہوں اور تمہارے ساتھ تو میں نے شادی کر پہلی رات سے ہی زیادتی کی تھی۔ مگر تم یقیناً فرائض اور ذمہ داری کو سمجھتی ہو تو میری اس رات کی غیر موجودگی کو ضرور معاف کر دو گی۔ آج میں سارے پرانے شکوے، زیادتیاں دہرانا اور ان کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے بعد ان کا تذکرہ بالکل نہیں ہوگا۔'' اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے قریب کیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی مگر وہ مکمل طور پر متوجہ ہوئے بغیر کہہ رہا تھا۔

''میرے اور تمہارے بیچ کے رشتے کا خوبصورت احساس اور وہ پیاری سی ننھی جان کی زنجیر اس دنیا میں آنے سے پہلے ٹوٹ گئی۔'' اس ذکر پر زرتاشہ کے گال تیزی سے بھیگنے لگے تھے۔ وہ بھی افسردگی سے سر جھکا گیا۔

''شاید یہ بھی ہماری آزمائش ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس موقع پہ مجھے تمہارا غم بٹانا چاہیے تھا مگر......'' وہ ایک دم رک گیا۔ زرتاشہ کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے۔

''یہ دکھ ہم دونوں کا برابر کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم سمجھتی تھیں کہ وہ سب میری ''لمحاتی خواہش کا نتیجہ تھا۔ (کس قدر درست تجزیہ تھا) مگر خدا گواہ ہے میں دل کی آبادگی کے ساتھ تمہاری طرف بڑھا تھا۔ لیکن میری ازلی لاپروائی کے خول نے مجھے پھر خود ہی سمیٹ لیا تھا اور تم مجھ سے متنفر ہوتی گئیں۔''

''میں نے کبھی آپ سے نفرت نہیں کی عالیان۔'' وہ ایک بار پھر احتجاج کر گئی تو وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

''محبت کا بھی تو اظہار نہیں کیا۔''

''اونہہ کوئی کیسے آگے بڑھتا۔ کونکوں پہ تو بیٹھے رہتے تھے۔'' اس نے چڑ کر بلا ارادہ کہا تو وہ کتنے پل ہنستا رہا۔

''تو اب کر لو۔'' وہ ابھی تک محفوظ انداز میں کہہ رہا تھا۔ زرتاشہ کرنٹ کھا کر اس سے پرے ہٹی تو وہ پھر ہنس دیا۔

''مما تک سے شکایت کی کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔ ویری بیڈ یار میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ عرصہ صرف اپنے احتساب میں گزارا تھا۔ وقارالدین میرے سگے ماموں کا عہدہ رکھتا تھا مگر جس طرح دولت کی ہوس نے اسے سگے رشتوں کی پہچان ختم کروادی تھی اور مجھ سے دشمنی کا بدلہ اس نے پلوشہ کے خاندان کو ختم کر کے لیا تھا تو اس نے مجھے احساس جرم میں مبتلا کر دیا۔ نہ تم میرے ساتھ منسلک ہوتیں اور نہ تمہاری فیملی کو اتنا بڑا سانحہ برداشت کرنا پڑتا۔'' وہ شوخ ہوتا ہوتا پھر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''شاید قسمت میں ایسا ہونا ہی لکھا تھا۔ آپ قصوروار نہیں تھے۔'' وہ اپنے ہاتھوں پہ نظر جمائے متانت سے بولی۔

''مجھے اپنی زیادتیوں کا احساس اس وقت ہوا تھا جب سرجن تابش رحمان سے ملا۔ وہ اور ڈاکٹر ثمن مجھے ہاسپٹل میں ملے تھے۔ جن دنوں میں زخمی تھا۔'' اس نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ ان باتوں کا مطلب؟ وہ سوچ کر رہ گئی۔

''تم بھی ملی ہوگی تابش رحمان سے۔''

''شاید۔'' مبہم سا جواب دے کر ذہن پر زور دیا۔ تو تصور میں ڈارک براؤن آنکھوں والا وہ ڈیسنٹ سا شخص آ گیا۔ جس کی آنکھوں کی اداسی کو اس نے بارہا محسوس کیا تھا خاص طور پر جب وہ اس سے مخاطب ہوتا تھا مگر وہ عالیان کی

تیمارداری میں اتنی الجھی ہوئی تھی کہ غور نہیں کیا۔ ثمن مسعود نے کہا تھا۔

''آپ بہت لکی ہیں جن کو اتنی چاہنے والی وائف ملی۔ جس نے آپ کی خرابی طبیعت کے دوران دنیا سے ہر رشتہ جیسے ختم کر لیا تھا۔ میں نے بارہا انہیں نوٹ کیا۔''

''آئی ایم سو سوری عالیان خان کہ نادانستگی میں، میں ایک غلطی کر گیا۔ آپ کی وائف کے سامنے اعتراف کرنے کی ہمت نہیں پائی اس لئے آپ سے معذرت کر رہا ہوں۔'' وہ لفظ بہ لفظ تابش رحمان کی بات دہرا رہا تھا۔

''عالیان بعض اوقات محبت اتنا بے بس کر دیتی ہے کہ ان آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کی خواہش دل میں ابھرتی ہے جہاں پہ پہلے ہی کوئی اپنا نقش گہرا کر چکا ہوتا ہے۔ میری ایک بلا ارادہ نظر مجھے زرتاشہ خان کے سامنے ہرا دے گی اگر میں جانتا ہوتا تو کبھی وہ نظر ہی نہ اٹھاتا۔ میں چاہتا تو آپ کے سامنے اعتراف گناہ کیے بنا چلا جاتا مگر مجھے معلوم تھا کہ میری محبت مجھے کبھی سکون نہ لینے دیتی۔ میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں۔'' وہ اس انکشاف پہ ششدر رہ گئی اور ابھی اس سے سنبھلی نہ تھی کہ اس کے اگلے جملے نے ساری توانائی سلب کر دی۔

''میں سمجھا کہ شاید......''

وہ دانستہ یا نادانستہ رکا تھا مگر اس کے ''شاید'' نے اسے اندر آگ لگا دی۔

''آپ نے سمجھا کہ شاید تابش رحمان کی اس غلطی میں کبھی میں ہی قصوروار ہوں۔ آذر سے اپنی پسندیدگی کا اظہار ہی میرا جرم گنا گیا جس نے آپ کو مکمل طور پر میری محبت کا معترف ہونے کے باوجود کسی تیسرے شخص کو مجھ سے منسلک کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگایا۔''

''وہ ایکدم پھٹ پڑی۔ عالیان نے تاسف بھری حیرانگی سے اسے دیکھا۔ کتنا غلط سمجھی تھی وہ اسے۔''

''میں بہت برا ہوں زرتاشہ، مگر بخدا جتنا عرصہ میں نے تمہارے ساتھ گزارا ہے اس کے کسی ایک پل میں میرے دل میں تمہارے لئے کسی غلط سوچ نے جنم نہیں لیا۔'' وہ محض سر جھٹک کر رہ گئی۔

''میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ جب امریکہ جانے سے پہلے تابش رحمان آخری بار مجھے ہاسپٹل ملنے آیا تھا تو اس کی آنکھوں سے چھلکتی اس پاکیزہ سی محبت کو دیکھ کر میں ڈر سا گیا اور مجھے یہی لگا کہ میں جو زندگی میں ہر محاذ پہ جیتا چلا آیا ہوں۔ محبت کی بازی ضرور ہار جاؤں گا۔ مجھے اپنی یہ سوچ خود ہی عجیب سی لگی کہ جب بھی تمہارے متعلق سوچ رہا تھا محبت درمیان میں خوشبو کی طرح پھیل جاتی تھی۔ شاید جب اپنی کسی چیز کو کھونے کا ڈر پیدا ہوتا ہے تو اس کی اہمیت کا اندازہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اور تم تو کوئی چیز نہیں تھیں۔ مگر مجھے اپنا عادی ضرور بنا لیا تھا۔'' اس وضاحت پر اس نے سر اٹھا کر بغور اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پہ پھیلی سچائی کی چمک اتنی واضح تھی جس نے اسے شرمندہ کر کے نظریں جھکانے پہ مجبور کر دیا۔

''آئی ایم سوری۔'' فوراً معافی طلب کی اور وہ ''اٹس اوکے'' کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

کتنی تھرڈ کلاس بات کہی تھی اس نے۔ وہ خود کو ملامت کیے گئی۔ ابھی کچھ لمحہ پہلے وہ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ ہنستا ہوا، کچھ شریر سا۔ اپنے مزاج سے ہٹ کر ہر صورت میں اسے منانے پر آمادہ مگر اس نے کیسے اسے خفا کر دیا۔ ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ مکمل سنجیدگی کے ساتھ مخصوص انداز میں وہ چینل سرچنگ میں مصروف تھا۔ شاید اب ماننے ہی نہ دھڑ کتے دل

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تحاشا رونا آنے لگا۔ اسے منانے کی بجائے خود خفا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اگرچہ اس کی وضاحتوں نے پچھلی تقریباً ساری کدورتیں ختم کر دی تھیں۔ مگر تناتو اس کا حق تھا ناں کہ وہ اس سے شکوہ کر سکتی۔

''سنیئے۔'' ہمت کر کے لرزتے ہاتھوں سے بزنس چینل میں گم عالیان کا کندھا ہلایا۔ تو وہ محض سنجیدہ نظروں سے سر گھما کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر س کی نظریں اپنے کندھے پہ جمے ہاتھوں پہ ٹک گئیں۔

''میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔ مگر میں کیا کروں۔ ہر طرف سے اتنی بے یقینی عطا ہوئی تھی کہ دماغ میں صرف منفی سوچیں رہ گئی ہیں۔'' رتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا جو بنا تاثر کے ں کی طرف متوجہ تھا۔

''پھر آپ نے بھی تو۔'' لہجہ تھوڑا سا بلند ہو کر پھر پست ہو گیا۔

''ہمیشہ بے نیازی دکھائی ہے اور اگر کبھی ں نے پروا کرنا چاہی تو مجھے جھڑک دیا۔ آپ ایئے میں ان حالات میں کیا کرتی۔ جنہوں نے ھ جیسی لڑکی کو بھی اتنا کمزور بنا دیا۔'' اس کی آواز رائی۔

''اور میرے حادثہ پہ اتنی کمزور پڑ گئیں کہ ایئے جائے نماز پہ بیٹھ کر رونے کے کچھ نہیں رہی تھیں اور اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو مجھ سے پہلے ینا تمہاری روح نے پرواز کرنا تھی۔'' وہ اسے نٹ رہا تھا واقعی اس نے بہت کمزور دلی کا

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

میں شاہ جنات ہوں۔ میری شکل بلوس سے ملتی ہے۔'' اس جملہ پہ دھک سے رہ گئی۔ رونا دھونا سب بھول کر اس کی طرف دیکھا جو سنجیدہ تھا۔ گویا اس دن جب افنان کی نوٹ بک دیکھتے ہوئے وہ بظاہر لاپرواہ بن رہا تھا اصل میں اسے سخت غصہ تھا اس پہ۔ وہ شرمندہ ہو گئی۔ افنان اسے مزے سے قصہ بتا رہا تھا اور چونکہ وہ تھوڑے فاصلے پر وارڈ روب صاف کر رہی تھی۔ اس لئے ہنسی کی وجہ جاننے کے لئے جونہی آگے بڑھی تو وہ ہونٹ بھینچ کر نوٹ بک بند کر گیا تھا۔ اگر اسے اس وقت اپنی حرکت یاد آ جاتی تو یقیناً افنان کے بچے کی تو کلاس لے ہی لیتی۔

''ویسے مجھے نام زیادہ پسند ہے۔'' اس شرارتی آواز پہ چونک کر اسے دیکھا جواب مسکرا رہا تھا۔

''عالیان پلیز۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''اب رونا نہیں ورنہ میں واقعی بلوتس بن جاؤں گا تم پھر شکایت کرو گی۔'' اس کی دھمکی پہ وہ پہلی بار پورے دل سے ہنس دی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' کافی دیر کے بعد اس کی ہنسی تھمی تو وہاں سے اٹھنے لگی۔

''مجھے سردی لگ رہی ہے اور نیند بھی آ رہی ہے۔''

''تو کیا ہوا اسی کمبل میں آ جاؤ۔'' اس کے کسی بھی احتجاج سے پہلے وہ نرمی سے اس پہ کمبل اوڑھا کر لائٹ آف کر گیا۔

☆☆☆